ہفت روزہ **خدام الدین** لاہور

بانی:- شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری

برادرانِ اسلام! میں تو کہا کرتا ہوں کہ اگر بزرگانِ دین ہماری رہنمائی نہ کرتے تو ہمیں ایمان کہاں سے نصیب ہوتا اور اسلام کی نعمت کہاں سے ملتی۔ انھیں اللہ والوں کا فیض ہے کہ آج ہم میں ایمان کی جھلک پائی جاتی ہے، اور اسلام کے نام لیوا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان بزرگوں اور اولیائے کرام کی قبروں پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے انھوں نے ہمیں دین سے روشناس کرایا۔ اللہ تعالیٰ کا دروازہ دکھایا خدا کو راضی کرنے کا طریقہ سمجھایا بزرگانِ دین نے ہمیں یہ تو نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا دروازہ چھوڑ کر ہماری قبروں پر آ کر سربسجود ہو جاؤ اور اپنی مرادیں بجائے اللہ تعالیٰ کے ہم سے مانگا کرو

•

ارشادِ شیخ التفسیر حضرت لاہوری رحمہ اللہ

26.9.84

محمد سعید الرحمٰن علوی

اذان کا جواب

حدثنا عیسیٰ بن طلحہ انہ سمع معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوما فقال بمثلہ الیٰ قولہ و اشھد ان محمدا رسول اللہ قال یحیی وحدثنی بعض اخواننا قال لما قال حی علی الصلاۃ قال لاحول ولاقوۃ الا باللہ و قال ھکذا سمعنا نبیکم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم یقول۔ (بخاری ص ۸۶ ج ۱)

اذان کا جواب جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم سے ثابت شدہ امر ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو کلمہ مؤذن کہے سننے والا وہی کلمہ دہرائے۔ احادیث مبارکہ میں اس سلسلہ میں واضح اشارات موجود ہیں اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی یہی سب سے بڑی خوبی تھی کہ وہ سرور کائنات علیہ السلام سے جو بات سنتے یا جو کام کرتے دیکھتے۔ اس کی تعمیل اور اس کی نقل لازمی و ضروری سمجھتے۔ اور ان باتوں کو اپنے شاگردوں اور متعلقین کے سامنے اسی طرح دہراتے احادیث میں ایسے کئی واقعات ہیں کسی جگہ سرکار مسکرائے تو صحابی روایت کرتے ہوئے اسی طرح مسکرائے اور پھر اس کو غایت درجہ مسرت کے ساتھ بیان کیا۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے کوئی اور عمل کیا تو اسے بعینہٖ دہرا کر بتلایا اور فرمایا۔ میرے آقا و مولیٰ نے یونہی کیا تھا۔

مندرجہ بالا روایت میں حضرت الامام الامیر سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "حی علی الصلاۃ" کے جواب میں "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" پڑھا اور فرمایا کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم سے یونہی سنا تھا۔ اذان میں "اللہ اکبر" شروع میں چار مرتبہ کہا جاتا ہے۔ اس کے جواب میں یہی کلمات کہنے چاہئیں اس کے بعد شہادتیں ہیں۔ یعنی اشھد ان لا الہ الا اللہ اور اشھد ان محمد رسول اللہ (دو دو مرتبہ) ان کے جواب میں یہی کلمات کہے جائیں اور جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لیا جائے تو ساتھ ہی آپؐ پر درود پاک پڑھا جائے۔ کیونکہ آپؐ کا اسم گرامی سنا جائے یا لیا جائے اور آپؐ پر درود پاک نہ پڑھا جائے تو یہ غایت درجہ احسان ناشناسی اور بخیلی ہے۔ سرکار دو عالم علیہ السلام نے ایسے شخص کو بخیل قرار دیا۔ نیز ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ کی دس رحمتیں (کم از کم) اس انسان پر ہوتی ہیں۔ شہادتین کے بعد رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا وَّ رَسُوْلًا۔ بھی بعض روایات سے ثابت ہے اور جب مؤذن یا مکبر حیّ علی الصلوٰۃ اور حیّ علی الفلاح کہے تو اس وقت لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا جائے۔ یہ کلمات بعینہٖ نہ دہرائے جائیں۔ ان کلمات کے ذریعہ مؤذن نماز و کامیابی کی دعوت دیتا اور بلاتا ہے۔ اور شیطان لعین رکاوٹ بنتا ہے۔ اس کے شر سے بچنے کے لیے لا حول ولا قوۃ بہترین ہتھیار ہے اس کے بعد پھر اللہ اکبر ہے اور

(باقی ۴ پر)

جلد ۲۶ ❁ شمارہ ۱۳

۱۵ ذوالقعدہ ۱۴۰۰ھ ❁ ۲۶ ستمبر ۱۹۸۰ء

اس شمارہ میں

رئیس الادارہ

"پیر طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ"

مدیر منتظم : میاں محمد اجمل قادری

مدیر : محمد سعید الرحمٰن علوی

بدل اشتراک	سالانہ ۶۰/- روپے ششماہی ۳۰/- روپے
	سہ ماہی ۱۵/- روپے فی پرچہ ۱/۵۰

عالمِ اسلام کی نمائندگی

صدر جنرل محمد ضیاء الحق یو۔این۔او کے اجلاس میں شرکت کیلیے نیو۔یارک تشریف لے جانے والے ہیں جہاں وہ اسلام آباد میں منعقدہ وزارتِ خارجہ کانفرنس کے فیصلہ کے مطابق عالم اسلام کے نمائندے کے طور پر خطاب کریں گے۔

پاکستان کے صدر ہونے کی حیثیت سے پورے پاکستانیوں کے لیے یہ بہت بڑا اعزاز ہے لیکن اعزاز سے بڑھ کر ایک چیلنج اور عظیم چیلنج ہے۔

آج عالم اسلام جن مسائل سے دوچار ہے وہ انتہائی نازک ہیں اور یوں کہنا چاہیے کہ پورا عالم اسلام مسائل کی شدت سے کراہ رہا ہے۔

اسرائیل جو یورپ اور دوسری بڑی طاقتوں کی ملی بھگت سے معرضِ وجود میں آیا وہ ظلم و ستم کا نشان بن چکا ہے۔ اب اس نے ساری دنیا کی رائے کی پرواہ کیے بغیر بیت المقدس کو اپنا دار الحکومت بنانے کا باقاعدہ فیصلہ کرلیا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ انتہائی پریشانی کا حامل ہے۔ اس نے پورے عالم اسلام کو بطور خاص ہلاکر رکھ دیا ہے۔ اس کے علاوہ اتنے مسائل ہیں کہ ان کی تفصیل بھی دردِ سر اور سوہانِ روح ہے مسائل سے نمٹنے کا اصل طریقہ تو یہ ہے کہ عالم اسلام واقعی طور پر متحد العمل ہو اس میں جہاد کی سپرٹ پیدا ہو سادہ زندگی اپنائی جائے۔ اسلام کو بطور ضابطہ حکومت اپناکر اللہ کے دین کو نافذ و جاری کیا جائے۔ اپنے قدرتی وسائل پر اعتماد و بھروسہ کرکے اللہ کی مدد کے سہارے آگے بڑھا جائے بطورِ خاص

اسلحہ کی صنعت میں اپنے آپ کو خود کفیل بنایا جائے۔

جہاں تک اس بین الاقوامی پلیٹ فارم کا تعلق ہے ایک عرصہ سے ہم اس کے حالات کو دیکھ رہے ہیں خاص طور پر چند نام نہاد بڑوں کی اجارہ داری اور ان کو ویٹو کا جو حق ہے اس نے چھوٹی اقوام کو از حد پریشانی کا شکار کر رکھا ہے اور کوئی مسئلہ حل نہیں ہو پاتا اب وقت آگیا ہے کہ اس بین الاقوامی پلیٹ فارم پر پوری جرأت و بے باکی سے بات کرکے فیصلہ کن انداز اختیار کیا جائے۔ اور ضرورت محسوس ہو تو پورا عالم اسلام یکبارگی اس ادارہ کی رکنیت سے الگ ہوکر اپنی دنیا آپ بسائے۔ ظاہر ہے کہ بعض نازک طبائع پر ہماری رائے گراں گزرے گی۔ لیکن ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا جو فرض ہے ہم نے اسے ادا کیا ہے۔ اور ہمیں اس بات پر اصرار ہے کہ اگر ہم صحیح معنوں میں مسلمان اور ملتِ واحدہ بن جائیں اور شہادت و موت کے لیے تیار ہو جائیں اور جہاد کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیں اور خود اپنے معاشرہ میں دو عملی ترک کرکے اسلام کے معاملہ میں خلوص کا مظاہرہ کریں تو اس قسم کے اداروں کی رسمی رکنیت یا عدم رکنیت ہمارے راستہ کا روڑہ نہیں بن سکتی۔

ہمیں امید ہے کہ صدرِ پاکستان ایک مردِ مومن کا کردار ادا کرتے ہوئے دنیا کی اقوام کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کریں گے اور دنیا پر یہ ثابت کردیں کہ مسلمان ایسا بھی کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو اور اپنی مدد و نصرت سے ہمیں نوازے۔

بقیہ : احادیث الرسولؐ

لا الٰہ الا اللہ، ان کا جواب اسی شکل میں دے کر وہ دعا پڑھی جائے جو احادیث میں منقول ہے جب آدمی ایسا کرتا ہے تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ میری شفاعت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ فقہاء کرام کی تصریح کے مطابق مؤذن لا الٰہ الا اللہ کہے تو اتنا ہی جواب میں کہنا چاہیے۔ اس سے زائد نہیں، کیونکہ زائد جملہ بڑھانے سے سرکار کے منشاء کے خلاف ہوتا ہے۔ صبح کی اذان میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کا اضافہ ہے۔ اس کا جواب صَدَقْتَ وَ بَرَرْتَ وَ بِالْحَقِّ نَطَقْتَ کے الفاظ سے دینا چاہیے اور تکبیر و اقامت میں قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کے جواب میں اَقَامَهَا اللّٰهُ وَ اَدَامَهَا کہا جائے۔

سرکارؐ کے منشا کے مطابق بغیر کسی کمی بیشی اور بغیر حک و اضافہ کے اس طرح اذان اور اس طرح اس کا جواب ان گنت رحمتوں اور سعادتوں کا باعث ہے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عمل عطا فرمائے۔ آمین!

تزکیۂ نفس

مجلسِ ذکر، واہ کینٹ
از محترم صوفی محمد یونس صاحب
مرتبہ: محمد عثمان غنی بی، اے

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؛ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ :—

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا ؁

(الشمس آیت نمبر ۹)

ترجمہ: بے شک وہ کامیاب ہُوا جس نے اپنی روح کو پاک کر لیا۔

تمہیدی جملے

تقریباً دو ماہ بعد ہمیں اللہ تعالیٰ نے مل بیٹھ کر اپنا نام لینے کی توفیق نصیب فرمائی۔ رمضان شریف کے مہینے میں چونکہ یہ مجلس منعقد نہیں ہوتی اس لئے وہ ہمارا ناغہ رہا۔ اب رمضان شریف کے بعد یہ مجلس منعقد ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مجلس کو ہمیشہ مرتے دم تک نبھانے کی توفیق نصیب فرمائے اور اللہ تعالیٰ اپنے نام کی لذت شوق، برکات اور انوار ہم سب کو نصیب فرمائے۔ جہاں جہاں یہ مجالس ذکر ہوتی ہیں۔ دین پور شریف میں، ہمارے ہاں لاہور میں، ہمارے پنڈی میں اور یہاں واہ کینٹ میں جہاں کہیں بھی یہ ذکر کی مجلس منعقد ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو جو اس میں شامل ہونے والے ہیں اپنے نام کی لذّت اور شوق عطا فرمائے اور اس کے انوار نصیب فرمائے۔

امراضِ روحانی کی دو قسمیں

میں نے جو آیت پڑھی ہے اللہ تعالیٰ اُس میں ارشاد فرماتے ہیں کہ انسان کی نجات کا دارومدار اس کے تزکیۂ نفس پر ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا ؁ بے شک کامیاب وہی ہُوا جس نے اس کو پاک کر لیا۔ اپنے نفس کو امراضِ روحانی سے، نجاستوں سے پاک کر لیا۔ اِن کو نجاست کے ساتھ تشبیہ دی۔ امراضِ روحانی جتنی بھی ہیں یہ سب ایک قسم کی نجاستیں ہیں، اِن کے خبثِ نفس ہیں۔ اِن سے جب تک نجات نہیں حاصل کرے گا۔ کامیابی نہیں ہوگی، نجات نہیں ہو گی، جنّت میں داخلہ نہیں ہوگا۔ اور یہ دو قسم کی ہیں۔ ایک تو ایسی ہیں کہ اگر خدانخواستہ دنیا سے ان سے شفایاب ہو کے نہ گیا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنا پڑیگا۔ اور کچھ ایسی امراض بھی ہیں کہ اگر خدانخواستہ ان سے شفایاب ہو کر نہ گیا تو کچھ عرصہ جہنّم میں رہ کر پھر وہاں سے اُن امراض کا علاج ہو گا جہنّم میں، پھر وہاں سے نکل کر جنّت میں داخل ہو جائے گا۔ وہ امراض جو ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنے کا ذریعہ بنیں گے وہ شرک، کفر اور نفاقِ اعتقادی ہیں۔ یہ امراض ایسی خطرناک ہیں۔ کہ ان کے لیے نہ شفاعت ہے نہ نجات ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انسان جہنم میں رہے گا۔ اور وہ امراض جن سے کچھ عرصے کے بعد انسان کو نجات مل سکے گی وہ ایمان ہوگا، توحید ہوگی اور اُس کے ساتھ ساتھ پھر شرک نہیں بلکہ حسد ہوگا، کبر ہوگا، ریاکاری ہوگی۔ تکبّر ہوگا۔ یہ امراض جو ہیں روحانی ان سے اگر شفایاب ہو کر نہ گیا تو پھر قبر میں اور حشر میں کچھ عرصہ جہنم کی آگ میں جل کر ان سے شفا ہو کر پھر جنّت میں داخلہ ہوگا۔ لیکن کچھ عرصے کے لیے بھی جہنم میں رہنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ جہنّم کے اندر آگ

میں جلنا تو الگ رہا باہر کنارے
پر بھی پھرنا بڑا مشکل ہوگا۔
اس قدر جہنم کی گرمی اور اس
قدر اس کا ہول ہوگا کہ انسان
برداشت نہیں کر سکے گا۔

اہل اللہ کا مقام

اولیاء کرام کی صحبت میں
دونوں قسم کی امراض سے خدا کے
فضل سے نجات نصیب ہوتی ہے
اول تو ایسے اہل اللہ ملنے ہی
مشکل ہیں ملتے ہی نہیں۔ ہمارے
حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے
تھے اللہ تعالیٰ نے بیج کے طور
پر رکھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ
کیوں نہیں بھجواتے؟ اس لیے
کہ تم ان کی توہین کروگے اور
اپنے آپ کو عذاب کی دعوت
دوگے۔ اُن کی بے قدری کروگے۔
ان کا ادب نہیں کروگے بلکہ اُن
کی بے عزتی اور بے حرمتی کرکے
خدا کے عذاب کو دعوت دوگے،
اس لیے اللہ تعالیٰ کیوں اپنے بندوں
کو بھیج کر ان کی توہین کرائے؟
اس لیے اللہ تعالیٰ بھیجتے نہیں۔
لیکن اتمام حجت کے لیے تاکہ کوئی
کہہ نہ سکے مَا جَآءَنَا مِنۡ
نَّذِیۡرٍ اس کے لیے کچھ نہ کچھ
بندے بیج کے طور پر اللہ تعالیٰ
نے رکھے ہوتے ہیں لیکن کوئی بھی
ان کو پہچان نہیں سکتا۔ یہ بھی
فرماتے تھے کہ میں تمہارے سامنے
ایسے اللہ کے اولیاء کرام کو لاکے
کھڑا کردوں جن کی ظاہری شکل کو
دیکھ کر تم تھوکنا بھی پسند نہیں
کرو لیکن اُن کا تعلق خدا کے
ساتھ ایسا ہوگا کہ ایک سیکنڈ کے
کے لیے بھی وہ خدا کی یاد سے
غافل نہیں ہوتے، ان کی صحبت میں
تزکیۂ نفس ہوتا ہے، اُن کی صحبت
سے امراضِ روحانی سے خود بخود شفا
ہوتی ہے اور شرک، کفر اور نفاقِ
اعتقادی تو ہے ہی، اس سے تو
شفاء ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ حسد
سے، ریاء سے، بغض سے، تکبر
سے یا دوسرے امراض سے بھی
شفاء ہوگی۔ اور یہ اولیاء کرام،
ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا
کرتے تھے۔ والدین سے بھی زیادہ
شفیق اور مہربان بندوں پر اور
اُن لوگوں پر جو ان کی صحبت میں
جاتے ہیں بہت زیادہ شفقت اُن
پر کرنے والے ہوتے ہیں۔ والدین
تو اولاد کو آسمانوں سے اتار کر
زمین پر لا ڈالتے ہیں۔ لیکن یہ
اہل اللہ پھر زمین سے اٹھا کر
آسمانوں پر جا بٹھاتے ہیں۔ ایسی
اُن کی تربیت اور اصلاحِ حال
کرتے ہیں کہ وہ شخص جو زندگی
بھر کبھی اللہ کا نام نہیں لیتا تھا
مسجد کا رُخ نہیں کرتا تھا،
قرآن کو کبھی کھولتا بھی نہیں تھا
پھر ان کی صحبت میں آنے جانے
سے ایسا کانٹا بدلتا ہے کہ ہر
وقت اللہ کی یاد میں، استغفار
میں، توبہ میں، درود شریف میں،
قرآن کی تلاوت میں مشغول رہتا تھا
پھر فکرِ آخرت اس کو لگ جاتی
تھی، دنیا سے بے فکری اور آخرۃ
کی فکر اس کے دل میں لگ
جاتی ہے۔

ہدایت کے بعد گمراہی کا نتیجہ

یہ انقلابِ روحانی پیدا
کرنا آسان کام نہیں ہے۔ یہ
بات بھی ہمارے حضرت رحمۃ اللہ
علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اولیاء
کرام لوگوں کے دلوں میں گھس
جاتے ہیں اور کسی کے دل میں
گھسنا کوئی آسان کام نہیں ہے
خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو
ایسے اہل اللہ کی صحبت زندگی
میں نصیب ہو جائے اور ان کی
صحبت میں رہ کر پھر اپنی اصلاحِ
حال بھی کروا لیں اور بدنصیبی
ان لوگوں کی اول تو وہ جن
کو ملے ہی نہیں اور پھر اُن سے
زیادہ بدنصیب وہ ہیں جن کو
ایسے ہادی مل جائیں لیکن اُن
کی صحبت میں اپنی اصلاحِ حال
نہ کروا سکیں۔ جیسے آئے ویسے
ہی اُن سے نکل گئے۔ ہمارے حضرت
دامت برکاتہم عجیب بات فرماتے

ہیں اور میں نے مشاہدہ کیا۔ کل بھی میں نے پنڈی میں اپنے ایک ملنے والے دوست سے یہ بات کہی ہے اور حقیقت میں وہ بات اُس پر فٹ آتی تھی۔ اس لیے میں نے اُس کو سنائی۔ میں نے کہا میں ڈرتے ڈرتے ایک بات کہتا ہوں کہیں آپ بُرا نہ منائیں۔ کہ نہیں نہیں، کہو۔ میں نے کہا ہمارے حضرت دامت برکاتہم ایک بڑی عجیب بات فرماتے ہیں اور میں نے تجربہ کیا کہ بات ان کی صحیح ہے اور اہل اللہ کی بات ہوتی بھی ٹھیک ہے۔ وہ ایسی باتیں تو نہیں کرتے کہ جھوٹی معاذ اللہ ہوں۔ فرماتے ہیں کہ اوّل تو اہل اللہ کے ساتھ تعلق جوڑے ہی نہیں، ان کی صحبت میں آئے جائے ہی نہیں۔ یہ ایک راستہ ہی الگ ہے، یہ شعبہ ہی الگ ہے اسلام کا، اوّل تو اُن سے رشتہ جوڑے ہی نہیں اور اگر جوڑے تو پھر اُس کو نبھانے کی کوشش کرے۔ اور اگر بیعت کرنے کے بعد، تعلق جوڑنے کے بعد، اُن کے پاس آنے جانے کے بعد پھر اگر وہاں سے پھسل جائے گا تو حضرت فرماتے ہیں خود ہم نے دیکھا ـــــــ

ـــــــ پھر وہ ایسی گمراہی میں جا کر گرا کہ اُس کو پھر ہوش ہی نہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ اُس شخص نے اس کی تائید کی ــ اُس نے خود تائید کی۔ اُس نے کہا واقعی، قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید۔ وہ جو بات کہتے ہیں واقعی ٹھیک ہی بات کہتے ہیں ـ وہ خود جماعت اسلامی میں چلا گیا۔ اُس نے در اولیاء کرام کی صحبت اٹھائی ہے۔ نام میں لینا مناسب نہیں سمجھتا۔ ایک پنڈی میں تھے اور ایک حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی تھی۔ لیکن پھر صاحب استقامت نہ رہا۔ بہر حال یہ میں اُن کے خلاف نہیں کہتا۔ ایک بات کہنے کی ہے کہ اہل اللہ سے تعلق جوڑنا بہت بڑی نعمت ہے اور جوڑ کر پھر اُن سے دُور ہٹ جانا یہ پھر بہت نقصان کی بات ہے۔ جتنے بلند مقام سے انسان پھر گرتا ہے اُتنا ہی زیادہ پھر چُور چُور ہوتا ہے۔ اسلام آباد میں زیرو پوائنٹ پہ ایک بلڈنگ بن رہا ہے۔ بہت بڑی بلڈنگ ہے۔ پتہ نہیں کتنی اس کی پندرہ یا سولہ سٹوریاں ہیں اس کی اوپر کی منزل سے ایک بچّہ گرا۔ پچھلے سال کی بات ہے غالباً، وہ بچّہ کام کرتا تھا، کام کرتے کرتے خدا جانے کیا بات ہوئی اوپر کی سٹوری سے، آدھا آسمان سے وہ گرا چکنا چُور ہو گیا، ہڈی پسلی سب برابر ہو گئی بچارے کی۔ اتنے بلند مقام سے جو گرا۔ تو جتنے بلند مقام سے کوئی گرتا ہے اتنا ہی چُور چُور ہوتا ہے، اتنا ہی گمراہی کی طرف جاتا ہے۔ ادھر بھی یہی حال ہے۔ اول تو اہل اللہ سے تعلق جوڑو نہیں۔ جوڑو تو پھر نبھانے کی کوشش کرو۔ ورنہ شیطان ایسا گمراہ کرے گا، ایسے راستے پر چلائے گا کہ پھر دوبارہ صراط مستقیم پر آنے نہیں دے گا۔ اللہ سے بھی ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس بات پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ خدا نے یہ نعمت دی ہے۔ خدا کسی گناہ کی شامت کی وجہ سے یہ نعمت ہم سے چھین نہ لے۔ اس کے لیے ہر وقت فکرمند رہنا چاہیے، یہ نعمت ہم سے چھن نہ جائے، اہل اللہ کی صحبت بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کا پتہ قبر حشر میں چلے گا۔ اور یہ بھی فرماتے تھے کہ بیعت کرنا فرض نہیں بیعت کرنے کا پتہ قبر میں جا کر چلے گا

ہے تکبر زر پہ لاحاصل کہ بعد از مرگ بس
ایک ہی رستہ ہے سب شاہ و گدا کے واسطے

مال و زر ملک و زمین گنج و سپاہ
کب کسی کو ہے بقا سب ہے فنا کے واسطے

کہ بیعت کتنی مفید چیز ہے۔

دو عجیب واقعات

اس پر مجھے ایک بات یاد آئی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ایک نوجوان تھا گوجرانوالے کا، اُس نے مجھ سے اللہ کا نام سیکھا۔ کبھی بھی مَیں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے یہ الفاظ نہیں سنے کہ فلاں میرا مرید تھا، یا تو یوں فرماتے کہ فلاں نے مجھ سے اللہ کا نام سیکھا یا یہ فرماتے کہ میری جماعت کا آدمی۔ اس قسم کے الفاظ نہیں فرماتے تھے کہ میرے مرید ہیں یا مَیں اُن کا پیر ہوں۔ فرمایا اُس شخص نے مجھ سے اللہ کا نام سیکھا، کچھ عرصے بعد اُس کی شادی ہو گئی اور شادی ہونے کے فوراً بعد اپنی بیوی کو بھی لایا کہ حضرت! اس کو بھی اللہ کا نام سکھا دیجئے اُس کو بھی مَیں نے اللہ کا نام سکھایا، مگر خدا کی قدرت کچھ عرصے کے بعد اُس کی بیوی کا انتقال ہو گیا تو وہ دوڑتا ہوا میرے پاس آیا۔ کہنے لگا حضرت! میری بیوی کو مجھ سے بڑی محبت تھی، اور مجھے بھی تھی، وہ فوت ہو گئی۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھے پتہ چلے، کہ اس کا قبر میں کیا حال ہے؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے۔ کہ اُس نے ایسے انداز میں مجھ سے کہا کہ مَیں نے کہا اچھا بھائی چلو۔ وہ ساتھ لے گیا۔ قبرستان میں ہم گئے تو اس نے اشارہ کر کے مجھے بتایا کہ یہ میری بیوی کی قبر ہے۔ تو حضرتؒ نے فرمایا کہ مَیں نے توجہ کی تو خدا کا شکر ہے کہ اُس کی قبر ٹھنڈی تھی اور یہ حضرتؒ بڑے وثوق اور یقین کے ساتھ فرمایا کرتے تھے۔ جتنی عورتوں نے مجھ سے اللہ کا نام سیکھا اور پھر دنیا سے رخصت ہو گئیں سب کی قبریں جنّت کا باغ بنی ہوئی ہیں، سب کی قبریں ٹھنڈی ہیں۔ بہت یقین کے ساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ اُن میں اس کا ذکر بھی آیا۔ اُس نوجوان نے پھر یہ بات کی کہ حضرت! یہ اِس کے ساتھ بڑی بہن ہے اس کا انتقال اِس سے پہلے ہُوا ہے، اس کا بھی کچھ پتہ چلے اس کا کیا حال ہے۔ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے جب مَیں نے اُس پر توجہ دی تو مجھے یہ جواب ملا کہ یہ تو راستہ ہی ہمیں کسی نے نہیں دکھایا، یہ بتایا ہی نہیں کسی نے دنیا میں کہ اللہ کا نام سیکھنا بھی ایک کام ہے دنیا میں کرنے والا، اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنا یہ بھی ایک شعبہ ہے اسلام کا، یہ کسی نے ہمیں بتایا ہی نہیں۔ توجہ ہی نہیں کسی نے دلائی۔ مسلمانوں کا اکثر یہی حال ہے۔ کوٹھیوں میں، کاروں میں، دولت میں، مال میں، بیویوں میں، بچوں میں لگے ہوئے ہیں، عاقبت کا، آخرۃ کا دین کا، اللہ کے نام کا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا کوئی خیال نہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ آخر میں یہی دعا فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو ہدایت نصیب فرمائے اور اسلام پر عمل کرنے کی ہم سب کو توفیق نصیب فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

خط و کتابت کرتے وقت
خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں (ادارہ)

خطبہ جمعہ

ترتیب : مولانا عبدالرؤف فاروقی

"عقیدۂ توحید" اسلام کا اساسی مسئلہ ہے

○ جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عبید اللہ انور مدظلہم ○

الحمد للہ و کفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: امّا بعد: فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰہِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِیْمًا ۝

صدق اللہ العظیم۔

محترم حضرات! سورۂ نساء کے ساتویں رکوع کی ایک آیت کریمہ تلاوت کی ہے جس میں اللہ تعالےٰ نے شریعت اسلامیہ کے سب سے اہم مسئلہ کی وضاحت فرمائی ہے کہ اللہ تعالےٰ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا ایک ایسا گناہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کسی بھی قیمت پر اس کو معاف کرنے کے لیے تیار نہیں آیت کریمہ کا ترجمہ یہ ہے:۔

ترجمہ شیخ الہندؒ

"بے شک اللہ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک کرے اور بخشتا ہے اس سے نیچے کے گناہ جس کے چاہے اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا اس نے بڑا طوفان باندھا۔"

حاشیہ شیخ الاسلامؒ

"یعنی مشرک کبھی نہیں بخشا جاتا بلکہ اس کی سزا دائمی ہے البتہ شرک سے نیچے جو گناہ ہیں صغیرہ ہوں یا کبیرہ وہ سب قابل مغفرت ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کی مغفرت چاہے اس کے صغیرہ کبیرہ گناہ بخش دیتا ہے کچھ عذاب دے کر یا بلا عذاب دئے۔"

محترم حضرات! شرک کی اصطلاح توحید کے مقابلہ میں استعمال ہوتی ہے۔ "توحید" ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر قرآن حکیم نے سب سے زور دیا ہے بلکہ قرآن کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے عالم ارواح میں تمام بنی نوع انسان کی روحوں سے اپنی توحید کا اقرار لیا۔ چنانچہ قرآن میں آتا ہے کہ وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝

ترجمہ: اور جب نکالا تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے اُن کی اولاد کو اور اقرار کرایا "اُن سے اُن کی جانوں پر، کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب، بولے۔ ہاں، ہے ہم اقرار کرتے ہیں۔ کبھی کہنے لگو قیامت کے دن ہم کو تو اس کی خبر نہ تھی۔ یا

بھلے مگر کہ شرک کو نکالا تھا ہمارے باپ دادوں نے اور ہم ہوئے ان کی اولاد ' اُن کے پیچھے ' تو کیا تو ہم کو ہلاک کرتا ہے اُس کام پر جو کیا گمراہوں نے "

یعنی اللہ تعالےٰ بنی آدم کی پشتوں سے قیامت تک پیدا ہونے والی اولادوں کو نکال کر انہیں اپنی جانوں پر گواہ بنا کر اس لیے اپنی توحید کا اقرار کرایا تاکہ اگر دنیا میں جا کر یہ پھر اپنی بدبختی کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہو جائیں تو قیامت کے دن کسی قسم کا عذر نہ پیش کر سکیں یا اُس شرک کو اپنے آباء و اجداد کے ذمے لگا کر خود اس سے بری الذمہ بن کر آخرت کی سزا سے بچنے کی کوشش نہ کرے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رح نے اس آیت کریمہ پر ایک بسیط اور پُر مغز حاشیہ رقم فرمایا ہے جس سے اس آیت کریمہ کے اسرار و رموز اور حقائق کو سمجھنے میں بڑی آسانی ہو گی۔ آپ فرماتے ہیں :۔

"تمام عقائد حقہ اور ادیان سماویہ کا بنیادی پتھر یہ ہے کہ انسان خدا کی ہستی اور ربوبیت عامہ پر اعتقاد رکھے۔ مذہب کی ساری عمارت اسی سنگِ بنیاد پر کھڑی ہوتی ہے۔ جب تک یہ اعتقاد نہ ہو مذہبی میدان میں عقل و فکر کی رہنمائی اور انبیاء و مرسلین کی ہدایات کچھ نفع نہیں پہنچا سکتیں اگر پورے غور و تامل سے دیکھا جائے تو آسمانی مذہب کی تمام اصول و فروع بالآخر خدا کی ربوبیت عامہ کے اسی عقیدہ پر منتہی ہوتے بلکہ اُسی کی تہ میں پیٹے ہوئے ہیں۔ عقل سلیم اور وحی و الہام اسی اجمال کی شرح کرتے ہیں۔ پس ضروری تھا کہ یہ تخم ہدایت جسے کُل اسلامی تعلیمات کا مبداء و منتہا اور تمام ہدایاتِ ربانیہ کا وجود مجمل کہنا چاہیئے۔ عام فیاضی کے ساتھ نوع انسانی کے تمام افراد میں بکھیر دیا جائے تاکہ ہر آدمی عقل و فہم اور وحی و الہام کی آبیاری سے اس تخم کو شجرِ ایمان و توحید کے درجہ تک پہنچا سکے۔ اگر قدرت کی طرف سے قلوبِ بنی آدم میں ابتداءً یہ تخم ریزی نہ ہوتی اور اس سب سے زیادہ اساسی و جوہری عقدہ کا حل ناخنِ عقل و فکر کے سپرد کر دیا جاتا تو یقیناً یہ مسئلہ بھی منطقی استدلال کی بھول بھلیوں میں پھنس کر ایک نظری مسئلہ بن کر رہ جاتا جس پر سب تو کیا اکثر آدمی بھی متفق نہ ہو سکتے جیسا کہ تجربہ بتلاتا ہے کہ فکر و استدلال کی ہنگامہ آرائیاں اکثر اتفاق سے زیادہ اختلافِ آراء پر منتج ہوتی ہیں۔ اس لیے قدرت نے جہاں غور و فکر کی قوت اور نور وحی و الہام کے قبول کرنے کی استعداد بنی آدم میں ودیعت فرمائی وہیں اس اساسی عقیدہ کی تعلیم سے اُن کو فطرتاً بہرہ ور کیا۔ جس کے اجمال میں کل آسمانی ہدایات کی تفصیل تھی اور جس کے بدوں مذہب کی عمارت کا کوئی ستون کھڑا نہیں رہ سکتا تھا یہ اُسی ازلی اور خدائی تعلیم کا اثر ہے کہ آدم کی اولاد ہر قرن اور ہر گوشہ میں حق تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کے عقیدہ پر کسی نہ کسی حد تک متفق رہی ہے اور جن محدود افراد نے کسی عقلی و روحی بیماری کی وجہ سے اس عام فطری احساس کے خلاف آواز بلند کی ہے وہ انجام کار دنیا کے سامنے بلکہ خود اپنی نظر میں بھی اسی طرح جھوٹے ثابت ہوئے جیسے ایک بخار وغیرہ کا مریض لذیذ اور خوشگوار غذاؤں کو تلخ اور بدمزہ بتلانے میں جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ بہر حال ابتدائے آفرینش سے آج تک ہر درجہ اور ہر طبقہ کے انسانوں کا خدا کی ربوبیت کبریٰ پر عام اتفاق و اجماع اس کی زبردست دلیل ہے کہ یہ عقیدہ عقول و افکار کی دوا دوش سے پہلے ہی خاطرِ حقیقی کی طرف سے اولادِ آدم کو بلاواسطہ تلقین فرما دیا گیا ورنہ فکر و استدلال کے راستہ سے ایسا اتفاق پیدا ہو جانا تقریباً ناممکن تھا

قرآن کریم کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ اس نے آیاتِ حاضرہ میں عقیدہ کی اس فطری یکسانیت کے اصلی راز پر روشنی ڈالی۔ بلاشبہ ہم کو یاد نہیں کہ اس بنیادی عقیدہ کی تعلیم کب اور کہاں اور کس ماحول میں دی گئی تاہم جس طرح ایک لیکچرار اور انشاپرواز کو یقین ہے کہ ضرور کہ ابتداء عمر میں کسی نے الفاظ بولنے سکھائے جس سے ترقی کرکے آج اس رتبہ کو پہنچا۔ گو پہلا لفظ سکھلانے والا اور سکھلانے کا وقت مکان اور دیگر خصوصیاتِ مقامی بلکہ نفس سکھلانا بھی یاد نہیں تاہم اس کے موجودہ آثار سے یقین ہے کہ ایسا واقعہ ضرور ہوا ہے اور اسی طرح بنی نوع انسان کا علی الاختلاف الاقوام و الاجیال عقیدہ ربوبیت الٰہی پر متفق ہونا اس کی کھلی شہادت ہے کہ یہ چیز بدأ فطرت میں کسی معلم کے ذریعہ سے اُن تک پہنچی ہے باقی تعلیمی خصوصیات و احوال کا محفوظ نہ رہ سکنا اس کی تسلیم میں خلل انداز نہیں ہو سکتا۔ اسی ازلی و فطری تعلیم نے جس کا نمایاں اثر آج تک انسانی سرشت میں موجود چلا آتا ہے۔ ہر انسان کو خدا کی حجت کے سامنے ملزم کر دیا ہے جو شخص اپنے الحاد و شرک کو حق بجانب قرار دینے کے لیے غفلت، بے خبری یا آباؤ و اجداد کی کورانہ تقلید کا عذر کرتا ہے اس کے مقابلہ پر خدا کی یہی حجتِ قاطعہ جس میں اصل فطرتِ انسانی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ بطور فیصلہ کن جواب کے پیش کی جا سکتی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ :-

"اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے اُن کی اولاد اور اُن سے اُن کی اولاد نکالی۔ سب سے اقرار کروایا اپنی خدائی کا۔ پھر پشت میں داخل کیا۔ اس سے مدعا یہ ہے کہ خدا کے اب مطلق ماننے میں ہر کوئی آپ کفایت کرتا ہے۔ باپ کی تقلید نہ چاہیے۔ اگر باپ شرک کرے بیٹے کو چاہیئے ایمان لاوے اگر کسی کو شبہ ہو کہ وہ عہد تو یاد نہیں رہا پھر کیا حاصل۔ تو یوں سمجھے کہ اُس کا نشان ہر کسی کے دل میں ہے اور ہر زبان پر مشہور ہو رہا ہے کہ سب کا خالق اللہ ہے سارا جہان قائل ہے اور جو کوئی منکر ہے یا شرک کرتا ہے سو اپنی عقل ناقص دخل سے پھر آپ ہی جھوٹا ہوتا ہے۔"

محترم حضرات! شیخ الاسلامؒ کے اس حاشیے سے مذکورہ آیت کریمہ اور مسئلہ توحید کے بارہ میں بہت سی وضاحت آپ کے سامنے آگئی جس سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ اسلام کا اساسی اور بنیادی مسئلہ ہے۔ اس ضمن میں مزید گفتگو انشاء اللہ آئندہ نشست میں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرماویں۔

وما علینا الا البلاغ۔

بقیہ: مولانا ذوالفقار علی دیوبندی

کانگرس کی مخالفت تھا۔ چنانچہ اس کو "انٹی کانگرس جماعت" بھی کہا جانے لگا۔ اس طرح ملک گیر سیاسی حرکت شروع ہوئی۔

(باقی آئندہ)

مولانا ذوالفقار علی دیوبندی

تحریر: خالد محمود ایم اے (پنجاب)

مخدوم ومکرم سید انور حسین نفیس رقم شاہ صاحب کی وساطت سے حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندی قدس سرہ کے سوانحی حالات اور علمی وادبی خدمات پر مشتمل ایک مقالہ موصول ہوا ہے جو پنجاب یونیورسٹی کے امتحان ایم اے (عربی) ۱۹۷۱ء کے لیے لکھا گیا تھا۔ یہ تحقیقی مضمون ہم اپنے قارئین کی خدمت میں بڑی مسرت کے ساتھ پیش کرتے ہیں (ادارہ)

(نوٹ: یہ پہلی قسط کسی مجبوری کی وجہ سے اب پیش خدمت ہے۔)

باب اول: انیسویں صدی میں ہندوستان کی حالت

مولانا ذوالفقار علی کی زندگی کا آغاز انیسویں صدی کے ربع ثانی کے اختتام سے ہوتا ہے اور بیسویں صدی کے آغاز تک محیط ہے۔ انسان چونکہ زمان ومکان یا دوسرے لفظوں میں اپنے ماحول کی قید واثرات سے آزاد نہیں ہوتا، اس لیے اس کی زندگی کے نشیب وفراز اس کی شخصیت کے خدوخال اور اس کے رجحانات کو سمجھنے کے لیے اس دور پر، جس میں یہ شخصیت ابھری ہے، ایک طائرانہ نگاہ ڈالنا ناگزیر ہے۔

سیاسی حالت

اٹھارھویں صدی کے آخری عشرہ میں جب سلطان ٹیپو انگریزی افواج کے ہاتھوں شہید ہوگئے تو برصغیر کی آخری آزاد مسلمان حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ اس کے بعد پورے ملک میں سیاسی افراتفری پھیل گئی مقامی حکمران جن کے سامنے کوئی وطنی یا ملی مقصد نہیں تھا محض اقتدار قائم رکھنے کے لیے باہم دست وگریبان ہوتے رہے اور یکے بعد دیگرے انگریز حکمرانوں کے اثر میں آتے چلے گئے۔ ۱۸۱۸ء ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ ہندوستان کی تمام چھوٹی بڑی طاقتیں انگریز کے سامنے سرنیاز خم کرچکی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی سیاسی، معاشی، معاشرتی اور تعلیمی صورتحال زبردست طور پر متاثر ہوئی اور ماضی کا پورا نظام

آغاز سخن

کلیر، گنگوہ، انبیہٹہ، جھنجانہ، تھانہ بھون، کاندھلہ، ننگاورہ، کیرانہ، پھلت، نانوتہ اور دیوبند وغیرہ وہ مسلم آبادیاں ہیں جو مسلمانوں کے قیام وسکونت کے باعث ایک خاص اہمیت کی حامل ہیں ــــــ ان قصبات میں مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر، شیخ عبدالقدوس، شاہ ابوالمعالی، مفتی الٰہی بخش، شاہ محمد عاشق، قاضی محمد اسماعیل منگلوری، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا مملوک علی، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، مولوی عبدالسمیع بیدل جیسی شخصیتیں پیدا ہوئیں۔ قصبہ پھلت ضلع مظفر نگر کو حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور قصبہ نانوتہ کو مولانا محمد قاسم نانوتوی بانیٔ دارالعلوم دیوبند کے مولد ومنشا ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ الغرض ان قصبات میں اساتین علم وفضل اور آسمان شریعت وطریقت کی وہ نامور ہستیاں گذری ہیں جن کے نام برصغیر کی اسلامی تاریخ میں بقائے دوام کا درجہ رکھتے ہیں ــــــ پیش نظر مقالہ ان ہی مردم خیز مقامات میں سے قصبہ دیوبند کے ایک نامور عربی ادیب وجیّد عالم مولانا ذوالفقار علی سے متعلق ہے جن کی تمام زندگی ترویج واشاعت علم اور خدمت ادب کے لیے وقف رہی اور جنہوں نے ملک وملت اور دین حنیف کی گراں قدر خدمات سرانجام دیں ــــــ مولانا ذوالفقار علی کے سوانحی حالات پر اس سے قبل کوئی کتاب نہیں لکھی گئی اس لیے میرا یہ مقالہ نقش اول کی حیثیت رکھتا ہے بنابریں اس میں خامیوں کا پایا جانا ایک قدرتی امر ہے لیکن ارباب دانش وبینش سے عفو وصفح کی توقع رکھتا ہوں، بلکہ آفرین وتحسین کا طلب گار ہوں۔

مرا بسادہ دلیہائے من تواں بخشند
خطا نمودہ ام وچشم آفریں دارم

خالد محمود

تتر بتر ہونے لگا۔ زوال و انتشار کی ایک بھیانک صورت پیدا ہوگئی اور کسی چیز میں مرکزیت واجتماعیت باقی نہیں رہی۔

"کمپنی نے رنجیت سنگھ سے اتحاد پیدا کر لیا جس سے سکھوں کی جارحانہ طاقت میں اضافہ ہوگیا[2] نتیجۃً پنجاب کے مسلمانوں پر سکھوں کے مظالم میں اضافہ ہونے لگا حتیٰ کہ سکھ حکومت نے مسلمانوں کے مذہبی شعائر کی ادائیگی پر پابندیاں عاید کرنا شروع کردیں[3]۔"

مسلمان قوم کے لیے یہ صورتِ حال ایک سانحہ سے کم نہیں تھی اور اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے منتشر حالت میں جگہ جگہ ایسے افراد اور حلقے ابھرے جو چاہتے تھے کہ حالات تبدیل ہو جائیں۔ اور مسلمان بیک وقت جن سیاسی، معاشرتی اقتصادی، دینی اور تعلیمی زوال و تباہی سے دوچار ہو رہے ہیں اس سے نجات پاجائیں۔ انیسویں صدی کا آغاز اسی قسم کی کوششوں سے ہوا۔

سیاسی مقاصد کے لیے بچے کھچے امراء نوابان تو روز افزوں انگریزی اقتدار کے ساتھ سودے بازیوں میں لگ گئے۔ البتہ بنگال، یوپی، دہلی اور سندھ میں علماء وصوفیاء کی بعض جماعتوں نے مذہبی، معاشرتی اور بعض نے سیاسی اصلاح و تبدیلی کے لیے اپنی اپنی جگہ مساعی شروع کردی۔

فرائضی تحریک

مولانا شریعت اللہ نے بنگال میں "فرائضی" کے نام سے ۱۸۰۴ء میں ایک جماعت قائم کی۔ اس جماعت کا مقصد مسلمان عوام کو مذہبی فرائض کا پابند بنانا، ان کے اندر سے معاشرتی برائیاں دور کرنا اور انھیں ایک متحدہ ملت میں تبدیل کر دینا تھا۔ مولانا شریعت اللہ کی وفات کے بعد ان کے فرزند ارجمند حاجی دودھو میاں نے اس تحریک کی قیادت اپنے ہاتھ میں لی، ان کی سرکردگی میں فرائضی تحریک نے ایک زرعی تحریک کی شکل اختیار کرلی تھی اور اس سے بنگال کے مفلوک الحال کسانوں کو کافی فائدہ ہوا

تحریک سید احمد بریلوی

لیکن اس قسم کی سب سے بڑی تحریک سید احمد شہید کی تھی (یہ تحریک شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک کی دوسری کڑی تھی) جو بیک وقت اصلاحی بھی تھی اور سیاسی بھی، اس تحریک کا اثر شمالی ہند سے مشرقی ہند تک یکساں طور پر پھیلا ہوا تھا۔ اسے مجموعی طور پر ایک مکمل اصلاحی انقلابی تحریک کہا جاسکتا ہے جس کے اثرات مسلمانوں میں ابھی تک چلے آرہے ہیں۔

ڈاکٹر محمد یوسف لکھتے ہیں[4]:

"انیسویں صدی میں "احیاء اسلام" کی جتنی تحریکیں اٹھیں وہ مکمل اور زندگی کے تمام شعبوں کو محیط تھیں شاہ ولی اللہ اور سید احمد شہید کی تحریکیں اور "فرائضی تحریک" ان میں کوئی تحریک سیاست سے گریز اور اجتناب پر مبنی نہ تھی۔ بلکہ سب کی سب مسلمانوں کو عملی سیاست کے اسلامی آداب سکھاتی تھیں۔ جن تحریکوں کا عملی جہاد میں نمایاں حصہ ہو، وہ سیاست سے کیسے غفلت برت سکتی ہیں؟"

ہندوستان کو انگریزوں اور غیر مسلموں کے تسلط کے اندیشے سے نجات دلانے کے لیے یہ ایک نہایت عظیم مگر محدود کوشش تھی ــــ بلاشبہ ان مجاہدین کی پہلی جنگ پنجاب اور شمالی ہند کی سکھ حکومت کے خلاف شروع ہوئی تھی۔ لیکن اس کی وجہ بالکل واضح تھی کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حکومت کے انگریزوں کے ساتھ مراسم تھے اور جب تک یہ حکومت ختم نہیں کی جاتی شمالی سرحدوں سے ہندوستان کی طرف پیش قدمی ممکن نہیں تھی[5]۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سکھ حکومت کے ساتھ انگریزوں کی دوستی اور روابط کی شہادت میجر باسو نے اپنی مشہور تاریخ میں دی

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھئے علماء ہند کا شاندار ماضی۔ از مولانا محمد میاں (ایم برادرس) دہلی ۱۹۵۷ء، جلد ۲ صفحہ ۹۵-۹۶ ، [2] انگریزوں کے عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ۔ از عبد اللہ یوسف علی (کریم سنز، کراچی اشاعت اول ۱۹۶۷ء) صفحہ ۱۹۷ ، [3] تفصیل کے لیے دیکھئے۔ علماء ہند کا شاندار ماضی (جلد دوم) صفحہ ۲۷ تا ۲۷۷ و ہمارے ہندوستانی مسلمان (ہنٹر) صفحہ ۶۵ مترجمہ ڈاکٹر صادق حسین (اقبال اکیڈمی لاہور ۱۹۴۴ء) [4] مقالہ "بھولا ہوا داخلی محاذ" از ڈاکٹر محمد یوسف جامعہ کراچی۔ (ماہنامہ "بینات" شعبان المعظم ۱۳۹۱ھ صفحہ ۴۲) ، [5] ہمارے ہندوستانی مسلمان صفحہ ۶۵ اور علماء ہند کا شاندار ماضی جلد نمبر ۲ صفحہ ۲۶۶

ہے، وہ لکھتا ہے۔[1]

"انگریزوں نے سکھوں کو پڑھایا تھا کہ وہ سندھیا کا مقابلہ کریں۔ اسی لیے مہاراجہ رنجیت سنگھ ہمیشہ انگریزوں سے ملے رہے۔ اور شکر گذار رہے۔"

بدقسمتی سے سرحد کے خوانین نے مجاہدین کے ساتھ غداریاں کیں اور تحریک جہاد سکھوں پر غلبہ حاصل نہ کر سکی۔ تاہم سکھ اتنے کمزور ہو گئے کہ آگے چل کر انگریزوں کو ان کے ساتھ مصالحت کی ضرورت نہ رہی اور انہوں نے سکھ راجواڑوں پر یکے بعد دیگرے قبضہ جمانا شروع کر دیا، انگریزوں نے سردار گلاب سنگھ سے درپردہ سودا کیا۔ کشمیر کا علاقہ اسے دیا اور پورے پنجاب پر خود قابض ہو گئے اور ۱۸۴۵ء میں انگریزی فوج لاہور میں مقیم ہو گئی۔ لیکن سکھ حکومت کے خاتمہ کے باوجود انگریزی حکومت کے خلاف مجاہدین کی تحریک جاری رہی اور ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی کی ناکامی کے باوجود یہ تحریک سرگرم عمل رہی۔ انگریزوں نے ۱۸۶۳ء سے ۱۸۸۰ء تک اس تحریک جہاد کے خلاف سرحد کی طرف متعدد فوجی مہمات روانہ کیں اور ہندوستان میں یکے بعد دیگرے اس دوران میں تحریک جہاد سے تعلق رکھنے والے افراد کے خلاف سازش اور بغاوت کے پانچ مقدمات قائم کیے[2]

الغرض ہندوستان کو انگریزوں اور غیر مسلموں کے تسلط سے نجات دلانے کے یہ ایک عظیم تحریک تھی۔ جس کی عظمت کے خود انگریز معترف تھے۔ ہنٹر کے الفاظ میں "ایک تہائی صدی تک رنجیت سنگھ کے خلاف اور اس کے بعد اس کے جانشین کی حیثیت سے ہمارے (انگریز کے) خلاف یہ تحریک جہاد جاری رہی[3]۔ اس تحریک کا اثر کتنا قوی اور برطانوی حکومت کے نزدیک اس کا خطرہ کیا اہمیت رکھتا تھا؟ اس کا اندازہ خود انگریزی افسر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کی تصنیف "ہمارے ہندوستانی مسلمان" سے کیا جا سکتا ہے۔

۱۸۵۷ء کا جہاد آزادی

گذشتہ صفحات میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ انیسویں صدی کے آغاز سے ہی ہندوستانیوں میں اور بالخصوص مسلمانوں میں سیاسی بیچینی بدستور بڑھ رہی تھی ملک میں طوائف الملوکی روز افزوں ہوتی رہی اور اجنبی راج کے تحت ہندوستان میں نہایت کشیدہ فضا جاری رہی۔ اس کشیدہ فضا کا نتیجہ تھا کہ ۱۸۵۷ء کی بے قاعدہ جنگ آزادی شروع ہوئی اور جس نے پورے ہندوستان کو لپیٹ میں لے لیا۔ یہ کوئی اتفاقی شورش یا ناگہانی ہنگامہ نہ تھا نہ کوئی فرد واحد یا کوئی خاص فرقہ اور طبقہ اس کا ذمہ دار تھا۔ اصل میں ملک نے اپنی اپنی بیرونی بندشوں اور بندھنوں سے آزاد ہونے کے لیے پہلی جان توڑ کوشش کی تھی، اس میں عوام بھی شامل تھے اور خواص بھی، امراء بھی اور افراد فوج بھی، ہندو اور مسلمان بھی، غرض ملک کے طول و عرض میں یہ سب کی ایک متحدہ کوشش تھی۔ جو بدقسمتی سے ناکام رہی[4]

اس جہاد میں نمایاں حصہ مسلمانوں اور علماء کرام کا تھا یہی وجہ ہے کہ اس جہاد کی ناکامی کے بعد سب سے زیادہ انگریزی مظالم کا نشانہ مسلمان اور علماء کرام بنے[5]

نیا سیاسی دور

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں ۱۸۵۷ء کا سال، سیاسی لحاظ سے، ایک فیصلہ کن سال تھا جس نے اس خطۂ زمین سے مسلمان حکومت کا کلیتہً خاتمہ کر دیا اور انگلستان کے صلیبی عیسائیوں کی حکمرانی برصغیر پر قائم کر دی۔ ۱۸۵۷ء تک ملک کا اقتدار اور انتظام کمپنی کے ہاتھوں میں تھا لیکن برطانوی پارلیمینٹ نے متعدد قوانین منظور کر کے اس کے نظم و نسق کی اصلاح کی کوشش کی لیکن ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی کے بعد دوسرا دور شروع ہوتا ہے جبکہ برصغیر براہ راست تاج برطانیہ کے تحت آ گیا۔ اس میں سیاسی بیداری اور نمائندہ حکومت کے ارتقاء کا آغاز ہوا۔ جو بالآخر برصغیر کی آزادی پر منتج ہوا۔

انگریزوں کی مکمل حکمرانی قائم ہو جانے کے بعد مسلمانوں میں تین قسم کے رجحانات نمایاں ہوئے۔

---

[1] تاریخ میجر باسو جلد ۲ طبع اول ص ۲۴۵۔ [2] ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۳۸، ص ۶۵، ص ۱۲۳ و علماء ہند کا شاندار ماضی جلد ۲ ملاحظہ فرمائیے۔ [3] ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۱۷۶۔ [4] علی گڑھ میگزین جنوری ۱۹۳۹ء ص ۲، تفصیل کے لیے دیکھئے علماء ہند کا شاندار ماضی و ۱۸۵۷ء پہلی جنگ آزادی کا موقع۔ از غلام رسول مہر کتاب منزل لاہور ۱۹۵۷ء ص ۶۔

۱۔ یہ ایک رجحان تو ان لوگوں کا تھا جو اب بھی انگریزی حکومت کے خلاف مہم جاری رکھنا چاہتا تھا چنانچہ اس رجحان کے حامل افراد نے انگریز کے خلاف اپنی مہم جاری رکھی یہ وہ لوگ تھے جو شاہ ولی اللہ اور سید احمد شہید کی سیاسی تحریک سے وابستہ تھے —— اس میں بھی دو گروہ ہو گئے، ایک گروہ نے تو باقاعدہ انگریز سے عملی جہاد کو جاری رکھا اور ایک گروہ تعلیمی اور اصلاحی اداروں کی بنیاد رکھ کر مسلمانوں کے سیاسی و ملی وجود کے تحفظ کے لیے کوشاں ہو گیا۔ اس سلسلہ میں دارالعلوم دیوبند، پٹنہ کے مولوی عنایت علی، مولوی کرامت علی جونپوری اور سرحدی قبائل میں مقیم مجاہدین کی مساعی قابل ذکر ہیں۔[1]

حضرت شیخ الہندؒ، مولانا مناظر احسن گیلانی کے استفسار پر قیام دارالعلوم کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں[2]

"جہاں تک میں جانتا ہوں —— ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کی ناکامی کے بعد یہ ادارہ قائم کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے جس کے زیر اثر لوگوں کو تیار کیا جائے تاکہ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کی جائے۔"

دارالعلوم کے سرپرست وہ حضرات تھے جو باقاعدہ ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی میں شریک رہ چکے تھے۔ مثلاً حاجی امداد اللہ، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہم،

۱۸۷۸ء میں دارالعلوم دیوبند کے عظیم فرزند شیخ الہند مولانا محمود الحسن (ولد مولانا ذوالفقار علی) نے اپنے شاگردوں اور احباب پر مشتمل ایک جماعت "ثمرۃ التربیت" کے نام سے قائم کی جس کے روح و رواں مولانا عبید اللہ سندھی تھے، یہ جماعت آگے چل کر علم و سیاست اور انقلابی تحریک کے افق پر چاند و سورج بن کر چمکی۔[3]

۲۔ دوسرا رجحان ان لوگوں کا تھا جو حکومت وقت سے مکمل تعاون کا حامی تھا۔ سر سید احمد خان اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے انھوں نے مسلمانوں کے سیاسی و ملی وجود کے تحفظ کے لیے نئے تقاضوں کے تحت جدید تعلیم اور علوم کی تحصیل ضروری سمجھتے تھے۔ وہ مسلمانوں کی نجات اسی میں سمجھتے تھے۔ اور وہ عملی سیاست سے گریز کے مسلک پر تھے۔ اس کے برعکس دارالعلوم دیوبند کے بانیان امت مسلمہ کی نجات کا ذریعہ دینی تعلیم اور سیاسی سرگرمیوں کو سمجھتے تھے[4]

۳۔ تیسرے رجحان کے حامل وہ لوگ تھے جو انگریزی حکومت کے غلبہ کو تسلیم کرتے ہوئے اس دائرہ میں اپنے قومی و ملی حقوق کی تکمیل کیلئے کوشاں تھے۔

انڈین نیشنل کانگرس

انیسویں صدی میں حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت سید احمد شہید کی سیاسی تحریک سے وابستہ حضرات نے انگریز کے خلاف جو انقلابی جدوجہد جاری کر رکھی تھی اور جو کبھی تیز اور کبھی کمزور صورت میں جاری رہی، اس سے ۱۸۸۰ء تک یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ رجحان کسی وقت بھی ہمہ گیر تشدد کی صورت میں ظاہر ہو کر انگریزی حکومت کے خرمن کو جلا کر خاک کر دینے والا ثابت ہو سکتا ہے۔ اسی احساس کو مدنظر رکھتے ہوئے لبرل خیال کے انگریزوں نے ہندوستان میں آئینی ڈھنگ کے سیاسی اداروں کی ضرورت محسوس کی اور ان کے قیام کی ہمت افزائی شروع کی۔ انڈین نیشنل کانگرس کی صورت میں اس قسم کا ادارہ پہلی مرتبہ ۱۸۸۵ء میں مسٹر ایلین ہیوم کی مساعی سے معرض وجود میں آیا۔

انڈین نیشنل کانگرس کے مقابلہ میں "یونائیٹڈ انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن" کے نام سے ایک جماعت ۱۸۸۸ء میں علی گڑھ میں قائم کی گئی اور جس طرح انڈین نیشنل کانگرس میں ہندوستان کی تمام قومیں مسلمان، ہندو وغیرہ شامل ہو سکتے تھے، اسی طرح اس دوسری جماعت میں بھی تمام قومیں شامل کی گئی تھیں۔ اور اس کا واحد مقصد

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے، تحریک مجاہدین از مولانا غلام رسول مہر، موج کوثر از محمد اکرام۔ [2] سوانح قاسمی از مولانا مناظر احسن گیلانی جلد ۲ صفحہ ۲۷۴، [3] مقالہ ماضی کی روشنی میں۔ از ڈاکٹر احمد حسین کمال۔ [4] ملاحظہ فرمائیے، علی گڑھ میگزین (علی گڑھ نمبر جنوری ۱۹۳۶ء) و تاریخی مقالات از پروفیسر خلیق احمد نظامی صفحہ ۲۵۸ —— ۲۹۹ - انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ صفحہ ۲۷۰-۲۷۶ حیات جاوید از حالی۔ [5] انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ صفحہ ۳۱۶ - ۳۲۰ - حیات جاوید از حالی

قسط ۲

یادِ ایام

ڈاکٹر سید محمد عبداللہ نے شائع شدہ اپنے مضمون
خدام الدین میں خواجہ عبدالوحید مرحوم کے جس روزنامچے کا ذکر کیا ہے اس کا
ایک حصہ اب بھی محفوظ ہے۔ یہ نصف صدی پہلے کے لاہور کی علمی و ادبی اور تہذیبی تاریخ ہے
سنہ ۱۹۳۵ء کے روزنامچے کے چند اوراق یہاں شائع کئے جا رہے ہیں ان میں عالم اسلام کی بعض
نامور شخصیات، علامہ اقبال، خالدہ ادیب خانم، خالد شیلڈرک، شریفِ مراکش اور مولانا احمد علی لاہوری
کے علاوہ بہت سی اہم شخصیات سروجنی نائیڈو، ڈاکٹر انصاری، بیگم شاہنواز، علامہ عبداللہ، یوسف علی وغیرہ
کے بارے میں بعض نئی معلومات ملتی ہیں۔ لاہور کے متعدد اہلِ علم ڈاکٹر سید عبداللہ، صوفی غلام مصطفےٰ تبسم،
ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی وغیرہ کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ یہ روزنامچہ خواجہ
صاحب کے فرزند شفق خواجہ کی وساطت سے دستیاب ہوا ہے۔

(ادارہ)

اس ڈنر کا انتظام بہت ہی قابلِ تعریف تھا۔ یونیفنٹ کلب کے مستعد ارکان قابلِ صد ہزار تعریف ہیں اس لیے کہ ایک سرکاری دفتر میں ملازمت کرنے کے باوجود ان جذبات میں آزادی و حرّیت کے عناصر پائے جاتے ہیں۔

۲۸ جنوری سنہ ۱۹۳۵ء

آج ہز ہائی نس، ڈاکٹر عبدالقوی لقمان صاحب کے ہاں چائے پر مدعو تھے بارش کی وجہ سے حاضری بہت کم تھی۔ میں خود بہت دیر سے پہنچا اس لیے کہ میں دفتر سے اٹھ کر ان کے ہوٹل میں گیا تاکہ انہیں ساتھ لے کر ڈاکٹر صاحب کے ہاں آؤں لیکن وہ نہ تھے۔ میں انتظار کرتا رہا۔ پانچ بجے میں نے ڈاکٹر صاحب کے گھر کا رخ کیا اور وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ وہ خود ہی وہاں پہنچ چکے ہیں۔

۲۹ جنوری سنہ ۱۹۳۵ء

آج ہز ہائی نس نے حبیبیہ ہال اسلامیہ کالج میں طلبہ کے سامنے ایک لیکچر بزبان انگریزی دیا۔ سہ پہر کو ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب کے ہاں دعوت چائے تھی جس میں ملک برکت علی، ملک غلام محی الدین خاں، پروفیسر محمد شفیع، ڈاکٹر برکت علی قریشی اور قاضی ظہیر الدین کے علاوہ دو تین بزرگ اور بھی تشریف رکھتے تھے۔ بڑی پرلطف صحبت رہی۔

۳۰ جنوری سنہ ۱۹۳۵ء

آج ہز ہائی نس کے قیام لاہور کا آخری دن تھا۔ دوپہر کو احمدی (لاہوری) جماعت کا ایک وفد ہوٹل میں بغرض ملاقات آیا۔ وہ لوگ اپنے ہمراہ مولانا محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور کی چند کتب اور دو صد روپیہ نقد لائے تھے۔ ہز ہائی نس سخت ناراض ہوئے اور انہوں نے ان حضرات کو اپنی چیزیں لے کر

اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ
اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ
الحمدللہ الحمدللہ اللہ الحمدللہ
الحمدللہ الحمدللہ الحمدللہ اللہ

باہر نکل جانے کو کہا۔

آج صبح ہز ہائی نس اورنٹیل کالج گئے اور مسلمان طلبہ کو بزبان عربی مخاطب کیا۔ ایک طالب علم (علاؤالدین صاحب) نے آپ کی تقریر کا ترجمہ بزبان اردو سنایا شام کو نواب ممدوٹ صاحب کے دولت کدے پر ہز ہائی نس کے اعزاز میں دعوتِ چائے تھی۔ جس میں نواب نثار علی خاں قزلباش، سید محمد علی جعفری، ملک برکت علی، خلیفہ شجاع الدین، مولوی غلام محی الدین خاں، خان بہادر حاجی رحیم بخش، مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ، ڈاکٹر غلام محمد، ڈاکٹر محمد عبدالقوی لقمان اور میں شامل تھے۔

اتنے میں ہز ہائی نس کی مولوی محمد علی صاحب سے مذہبی بحث چھڑ گئی۔ آپ نے مرزائیوں کے عقاید پر بڑی عالمانہ تقریر تنقید کی اور رخصت ہوتے وقت احمدی حضرات سے مصافحہ کرنے سے انکار کر دیا۔

آج رات خواجہ محمد رشید وائیں کی

کوٹھی پر ہز ہائی نس کے اعزاز میں دعوتِ طعام تھی جس میں شرکت کرنے والے حضرات میں یہ بزرگ شامل تھے۔ حضرت استاذی مولانا احمد علی صاحب، خلیفہ شہاب الدین چوہدری فضل الٰہی اور مسٹر نور الحق، کھانے سے فارغ ہو کر ہم لوگ سیدھے اسٹیشن پہنچے ہز ہائی نس نے حضرت مولانا احمد علی صاحب سے بھی اسٹیشن تک چلنے کو کہا چنانچہ آپ رخصت کرنے کے لیے ساتھ ہی آ گئے۔ بالآخر معزز مہمان آج رات فرنٹیئر میل سے دہلی روانہ ہو گئے۔

ہز ہائی نس کا لاہور میں پانچ روزہ قیام ان لوگوں کے لیے بڑا ہی خوش آئند تھا جنہیں آپ سے ملنے کا موقع ملا۔ قریباً ہر وہ شخص جسے جلوت و خلوت میں آپ سے ملنے کا موقع ملا۔ آپ کی تشریف آوری پر بڑا مسرور تھا یقیناً ایسے شخص کی ملاقات باعث سعادت و فخر ہے جو بیک وقت حکمران بھی ہو اور صاحب روحانیت بھی، مجاہد بھی ہو اور عابد بھی، اعلیٰ طرز معاشرت بھی رکھتا ہو اور ارکانِ اسلام کا پابند بھی۔

۱۹ار فروری ۱۹۳۵ء

ہز ہائی نس شریف مولائی مصطفیٰ الریسونی کے لاہور سے تشریف لے جانے کے بعد میں محترمہ خالدہ ادیب خانم کے استقبال میں مصروف ہو گیا۔ الحمد للہ کہ یہ تمام کام ۱۴ار فروری کی رات بہمہ حسن و خوبی انجام پا گیا

آپ ۱۳ار فروری کی صبح فرنٹیئر میل سے لاہور پہنچیں۔ اسٹیشن پر بڑا پرجوش استقبال ہوا۔ مسلمانان لاہور کثیر تعداد میں اسٹیشن کے باہر اور اندر موجود تھے اور محترمہ موصوفہ کو تقریباً نصف گھنٹہ راستے کے انتظار میں ٹرین ہی میں ٹھہرنا پڑا۔ بیگم شاہنواز اور میں اُن کے ڈبے میں جا کر ان سے ملے۔

اسٹیشن سے خاتون محترم سید امجد علی صاحب کے مکان (آشیانہ برلب نہر) پر گئیں۔ جہاں آپ کی رہائش کا انتظام کیا گیا تھا کچھ دیر آرام کرنے کے بعد آپ کنیئرڈ کالج میں گئیں جہاں استانیوں اور طالبات سے ملاقات ہوئی۔ وہاں سے بیگم شاہنواز صاحبہ کے ہاں لنچ تناول فرمایا جس میں ہم چار آدمی شامل تھے۔ خالدہ خانم، بیگم شاہنواز، ڈاکٹر عبدالقوی صاحب اور میں۔ لنچ سے فارغ ہوتے، تو میاں شاہنواز سے کچھ دیر باہر دھوپ میں نشست ہوئی۔ پھر آشیانہ آئے۔ وہاں سے فوراً برکت علی اسلامیہ ہال میں پہنچے جہاں آزاد مسلم کانفرنس کی طرف سے دعوتِ چائے اور سپاسنامہ دیا گیا محترمہ نے بہت پسندیدہ جواب بزبان انگریزی دیا۔ رات کو مسلم کلب میں ڈنر تقریب منعقد ہوئی، دوسرے روز یعنی ۱۴ار فروری کی صبح ۱۱ بجے کے قریب خاتون محترم مقبرہ جہانگیر کی طرف روانہ ہوئیں۔ پہلی موٹر میں وہ، بیگم شاہنواز اور ایک اور خاتون تھیں دوسری موٹر میں خانم کے سیکرٹری (جامعہ ملیہ کے پروفیسر اکبر علی صاحب) میں اور ہمارے دفتر کے مسٹر شفیع اور تیسری موٹر میں ہمارے احباب میں سے ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، عبدالماجد صاحب، ابوالخیر عبداللہ صاحب اور بنّی صاحب تھے۔ دو بجے تک مقبرہ جہانگیر، آصف جاہ نور جہاں اور شالامار باغ کی سیر ہوئی اور بڑی پرلطف صحبت رہی۔ واپسی پر خانم تو آشیانہ واپس گئیں جہاں اسلامیہ کالج کے طلبہ ان کے لیے جمع تھے اور ہم لوگ اکبر علی صاحب کو ساتھ لے کر ریلوے اسٹیشن گئے جہاں مسلم ریفریشمنٹ روم میں دوپہر کا کھانا کھایا۔ شام کو ساڑھے چھ بجے یونیورسٹی ہال میں اجلاس تھا لوگ چار بجے ہی سے آنے شروع ہو گئے کارروائی شروع ہونے سے پہلے ہال میں اذانِ و نمازِ مغرب ہوئی اور پھر اجلاس شروع ہوا۔ خانم نے بزبان انگریزی پونے ڈیڑھ گھنٹے تک بڑی پُرمغز اور دلچسپ تقریر کی۔ سامعین و سامعات پر اتنا گہرا اثر تھا کہ اتنے طویل عرصے میں کسی قسم کا شور نہیں ہوا لوگ اطمینان و سکون کے ساتھ شروع سے آخر تک اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ کر لیکچر سنتے رہے خواتین کی کثیر تعداد لیکچر سننے آئی ہوئی تھی۔

لیکچر سے فارغ ہو کر خاتون محترم ڈاکٹر عبدالقوی صاحب کے مکان پر آئیں جہاں اُن کے اعزاز میں ڈنر تھا۔ لیکن وقت تنگ ہونے کی وجہ سے کھانا مکمل طور پر نہ کھایا جا سکا۔ اس لیے ادھورا ہی چھوڑ کر ہم میں سے بعض لوگ انہیں لے کر اسٹیشن پہنچے جہاں سے وہ بذریعہ ٹرین پشاور روانہ ہو گئیں۔

پرسوں شام کی ٹرین میں خانم پشاور سے لاہور اسٹیشن پر پہنچیں اور پھر کلکتہ میل میں لکھنو روانہ ہو گئیں۔ اسٹیشن پر زنانہ ویٹنگ روم میں ام، اہلیہ برادرم نذیر اور اہلیہ برادرم لطیف نے ان سے ملاقات کی بچوں سے بڑی محبت اور شفقت سے ملیں، ہر ایک کا نام پوچھا اور عمر دریافت کی ہر وہ شخص، جس نے خانم موصوفہ سے

ملاقات کی یا ان کی تقریر سنی یا ان کو دیکھا ان کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ ان کی سادگی، لباس، علوِ تخیل، وسعتِ معلومات تبحرِ علمی، شرم وحیا، پردہ، ہر چیز باعثِ تحسین و آفریں تھی۔ برقع پوش عورتوں سے زیادہ باحیا اور بے پردہ عورتوں سے زیادہ بارعب۔ حقیقت میں مسلمانانِ ہند کی بڑی ہی خوش نصیبی تھی کہ انہیں بیسویں صدی کی اس عظیم ترین دخترِ اسلام کو دیکھنے کا شرف حاصل ہوا جس نے علم وعمل اور تقریرِ دلپذیر سے ایک مردہ قوم کے قالب میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑا دی۔

کس قدر بدنصیب ہیں وہ مسلمان جنھوں نے لاہور شہر میں رہتے ہوئے ان کو دیکھا یا سُنا نہیں۔

یکم اپریل سنہ ۱۹۳۵ء

کل میں نے سر محمد اقبال سے ادبِ لطیف کی تعریف پوچھی تو دورانِ گفتگو ادب اور آرٹ پر تبادلۂ خیالات ہوا اور اس سلسلہ میں بہت پُر از معلومات اور دلچسپ باتیں ڈاکٹر صاحب نے کیں۔ آپ نے کہا "اس سلسلہ میں دو نظریئے موجود ہیں۔ اوّل یہ کہ آرٹ کی غرض محض حسن کا احساس ہے۔ دوم یہ کہ آرٹ سے انسانی زندگی کو فائدہ پہنچنا چاہیئے۔" ان کا ذاتی خیال یہ ہے کہ آرٹ زندگی کے ماتحت ہے، ہر چیز کو انسانی زندگی کے لیے وقف ہونا چاہیئے۔ اس لیے ہر وہ آرٹ جو زندگی کے لیے مفید ہو جائز ہے اور جو زندگی کے خلاف ہو، جو انسان کی ہمتوں کو پست اور جذباتِ حسنہ کو گمراہ کرنے والا ہو، قابلِ نفرت ہے اور اس کی ترویج حکومت کی طرف سے ممنوع قرار دی جانی چاہیئے۔ ڈاکٹر صاحب نے مزید کہا کہ حکومت کا سب سے بڑا فرض افراد کے اخلاق کی حفاظت ہے۔ لیکن ان سب سے بڑے فرض کو دنیائے جدید تسلیم ہی نہیں کرتی۔ حکومتیں محض افراد کے سیاسی خیالات سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کے اخلاق کو درست کرنا اپنے فرائض میں داخل ہی نہیں سمجھتیں۔

پھر اسلام اور تہذیبِ حاضرہ کا ذکر ہوا فرمانے لگے کہ اسلام تہذیبِ حاضرہ کی تمام ضروری اور اصولی چیزوں کا دشمن ہے اس لیے مسلمانوں کو اسے تباہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے، نہ یہ کہ ان چیزوں کو جزوِ اسلام بنا لیا جائے۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ اب دنیا اسلام کی طرف آرہی ہے اور اگر آج تہذیبِ مغربی تباہ ہو جائے تو اسلام کا بول بالا ہو جائیگا۔ اسلیے مسلمانوں کو اس آنے والے دور کے لیے تیار ہو جانا چاہیئے جس وقت تہذیبِ جدید کا خاتمہ ہو مسلمان اسلام کا علم بلند کر دیں!

آرٹ کے مضر اثرات کے متعلق آپ نے یہ بھی فرمایا کہ بعض قسم کا آرٹ قوموں کو ہمیشہ کے لیے مردہ بنا دیتا ہے۔ چنانچہ ہندوؤں کی تباہی میں موسیقی کا بہت حصہ رہا ہے۔

۱۷ اپریل سنہ ۱۹۳۵ء

گزشتہ اتوار صوفی صاحب، بدر صاحب، پنچھی صاحب اور میں مسز سروجنی نائیڈو سے ملنے کے لیے پنڈت کے رتنام کی کوٹھی پر گئے لیکن وہ نہ تھیں۔ پرسوں میں نے تنہا ان سے مل کر درخواست کی کہ وہ ہمارے انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام ایک لیکچر دیں۔ لیکن انہوں نے علالت کی بنا پر معذوری ظاہر کی۔ پھر میں نے کہا کہ ہمارے ارکان کے ساتھ چائے نوشی کے لیے وقت نکال لیں۔ چنانچہ وہ اس پر بخوشی آمادہ ہو گئیں اور ۱۹ اپریل کے روز ۳½ بجے سے ۵ بجے تک کا وقت مقرر ہو گیا انہوں نے یہ بھی کہا کہ بجائے اسٹیفل ہوٹل کے کسی پرائیویٹ جگہ پر اگر اجتماع ہو تو زیادہ اچھا ہوگا۔

کل دفتر سے میں نیڈوز ہوٹل میں گیا اور عبداللہ یوسف علی سے ملا۔ انہوں نے بھی ۱۹ ء کی دعوت میں شرکت کرنا منظور فرما لیا وہ کل اسلامیہ کالج کے پرنسپل مقرر ہو گئے اور کل ہی انہوں نے اپنے فرائض کا چارج بھی لے لیا میں نے ان کے نئے تقرر پر کہا کہ بجائے آپ کے انجمن اور کالج کو اس پر فخر کرنا چاہیئے اور مبارکباد بھی انجمن اور کالج ہی کو دی جانی چاہیئے اس پر وہ کسی قدر شرما گئے۔ ۱۹ ء کے اجتماع میں شرکت کی دعوت حفیظ جالندھری صاحب اور چراغ حسن حسرت صاحب کو بھی دی گئی ہے۔

۱۹ اپریل سنہ ۱۹۳۵ء

آج ہمارے ہاں بڑی رونق رہی۔ انسٹی ٹیوٹ کے ارکان کی دعوت پر مسز سروجنی نائیڈو چائے نوشی کے لیے تشریف لائی ہوئی تھیں، ان کے علاوہ علامہ عبداللہ یوسف علی، شیخ حسام الدین، صوفی غلام مصطفٰی تبسم صاحب، چراغ حسن حسرت صاحب، بدر صاحب، پنچھی صاحب، ابوالخیر صاحب، مولوی

خدا بخش ارمان صاحب، ڈاکٹر عبدالقوی صاحب
ڈاکٹر عبدالغنی صاحب، ثاقب صاحب، اپنے
دفتر والے بھٹی صاحب اور مولا بخش صاحب،
عزیزم لیفٹیننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید صاحب،
حفیظ جالندھری صاحب، اور برادرم نذیر بھی
شامل تھے۔ شام تک بڑی پُر تکلف صحبت
رہی۔ مسز نائیڈو کی موجودگی میں بہت پُر از
معلومات اور دلچسپ معاملات زیر بحث آتے
رہے۔ شام کو احباب مل کر ریلوے اسٹیشن
گئے تاکہ سید صاحب (ڈاکٹر سید عبداللہ) کو
مانسہرہ سے آنے پر ملیں لیکن وہ نہ آئے
ہم گھر آئے کھانا کھایا اور انجمن حمایت اسلام
کے جلسہ پر گئے وہاں پہنچے تو مسٹر عبداللہ
یوسف علی انگریزی میں تقریر کر رہے تھے۔
ان کے بعد مسٹر خالد شیلڈریک نے تقریر
کی۔ دونوں سے پہلے مسٹر محمد اسد (آسٹریا کے
کے نومسلم) تقریر فرما چکے تھے۔ آخر میں مسز
نائیڈو نے ایک طویل تقریر کی جس کے بعد
جلسہ ختم ہو گیا۔ اس اجلاس کے صدر
خان بہادر حاجی رحیم بخش صاحب تھے وہاں
سے دہلی دروازہ آئے تاکہ سید عطاء اللہ شاہ
بخاری کی تقریر دلپذیر سنیں لیکن افسوس کہ
ہمارے پہنچنے پر جلسہ ختم ہو گیا۔ اور وہ
اسٹیشن کو تشریف لے جا چکے تھے۔

۲۸ اپریل ۱۹۳۵ء

اپنے گھر آ رہا تھا کہ علامہ سر محمد اقبال
کے مکان کے عین سامنے ان کا ملازم
علی بخش ملا۔ معلوم ہوا کہ باہر سے دو حضرات
ڈاکٹر صاحب کے پاس آئے تھے اور میرا
پتہ دریافت فرما کر میری تلاش میں دفتر کی
طرف چلے گئے تھے گھر پہنچا تو ایک لفافہ
ملا جس میں ایک رقعہ خود حضرت علامہ کا
لکھا ہوا تھا اور دوسرا ان نووارد حضرات
کا پتہ چلا کہ علی گڑھ سے ڈاکٹر سید ظفر الحسن
صاحب نے دو اصحاب کو لاہور اس غرض
سے بھیجا ہے کہ ہم لوگوں سے مجوزہ جمعیت
شبان المسلمین کے متعلق تفصیلی طور پر تبادلہ
خیالات کریں۔ ان احباب نے اپنے رقعہ
میں لکھا تھا کہ مغرب کے وقت میں اپنے
دوستوں کے ہمراہ ڈاکٹر صاحب کے ہاں ان
سے ملاقات کروں۔

جس وقت گھر پہنچا دو بجے تھے علیل
تھے میں نے ملازم کو سائیکل دے کر بھیجا تاکہ
وہ ڈاکٹر عبدالغنی صاحب کو بلا لائے۔ لیکن
انہیں تیاری میں دیر ہو گئی۔ ادھر مغرب کا
وقت ہو گیا۔ میں بہت پریشان ہوا کہ نہ ڈاکٹر
صاحب آئے نہ میں ان لوگوں کے پاس
پہنچ سکا بالآخر دیر تک انتظار کرنے کے
بعد سر علامہ محمد اقبال کی طرف روانہ ہو گیا۔
وہاں علی گڑھ کے احباب اور چراغ حسن
حسرت صاحب بیٹھے تھے موخر الذکر تو جلد
اٹھ کر چلے گئے اور ہم ساڑھے نو بجے تک
باتیں کرتے رہے طے پایا کہ اگلے روز سہ پہر
کو حضرت علامہ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔

۳½ بجے ابوالخیر صاحب اور پنچی صاحب
آ گئے۔ پھر علی گڑھ والے اصحاب تشریف
لائے ۵½ بجے تک اجتماع رہا۔ مجوزہ
جمعیت شبان المسلمین کے متعلق طویل گفتگو
ہوئی۔ ۵½ بجے مہمان رخصت ہوئے اور ہم
ڈاکٹر عبدالقوی صاحب کی طرف گئے راستے
میں ڈاکٹر عبداللہ چغتائی صاحب، قاضی ظہیر الدین
صاحب اور پیر محمد حسن صاحب مل گئے ان
سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب گھر پر نہیں
ہیں اس لیے وہاں سے لوٹ کر لارنس گارڈنز
چلے آئے مسجد کے پاس گراؤنڈ میں ۴½
بجے تک بہت ہی دلچسپ اور مفید گفتگو
ہوتی رہی مغرب کی نماز باجماعت ادا کی
گئی۔ آخر میں کچھ لطیفہ بازی بھی ہوئی جس
کے بعد پیدل ہی گھروں کو روانہ ہوئے۔

علی گڑھ سے جو بزرگوار تشریف لائے
تھے۔ ان میں سے ایک محمد محمود احمد صاحب
مسلم یونیورسٹی میں فلاسفی کے لیکچرار ہیں۔
اور دوسرے برہان احمد فاروقی صاحب وہاں
ریسرچ اسکالر ہیں۔ اول الذکر بہت ذہین
اور سمجھدار ہیں ان کی گفتگو بہت دلپذیر
اور پسندیدہ ہے۔ دوسرے صاحب بہت
کم بات کرتے ہیں اگرچہ بات کرنا چاہتے
ضرور تھے۔ ان لوگوں کا خلوص اور جوشش
دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔

پرسوں رات علامہ سر محمد اقبال نے
بڑی پُر جوش باتیں کیں۔ میں جب کبھی ان
سے ملتا ہوں جی چاہتا ہے کہ ان کی باتیں
لکھتا چلا جاؤں۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکتا
اور بعد میں اکثر باتیں بھول جاتا ہوں۔
اسی روز آپ نے فرمایا:

"Character is a kind of energy; the more it is dissipated, the weaker it becomes."

"جو جذبہ آج شاتم رسول کی سزا کے
طور پر ہندو کے خلاف ظاہر ہو رہا ہے وہ
عنقریب انگریزوں کی طرف رُخ پھیرنے

دالا ہے۔"

حضرت علامہ کے خیال میں دنیائے اسلام کی فلاح سلطنت برطانیہ کی تباہی پر منحصر ہے

۷ مئی ۱۹۳۵ء

کل شیخ خالد شیلڈریک نے ہمارے ہاں انسٹی ٹیوٹ کے ارکان کے ساتھ چائے نوش فرمائی ۱/۲ ۵ بجے سے لے کر قریباً آٹھ بجے تک وہ یہاں رہے ان کے علاوہ حضرت مولانا احمد علی صاحب، شیخ حسام الدین صاحب، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم صاحب، چراغ حسن حسرت صاحب مرتضیٰ احمد خاں میکش صاحب، قربان صاحب، علامہ حسین میر کاشیری بھی موجود تھے۔ بڑی پُرلطف صحبت رہی۔ مغرب کے وقت حضرت مولانا نے نماز پڑھائی۔

شیلڈریک صاحب نے بہت باتیں کیں۔ اپنی حبیبیہ ہال والی تقریر کی طرح یہاں بھی انہوں نے ترکوں کے متعلق کہا کہ ان کے متعلق جو باتیں مشہور کی جاتی ہیں ان کو نہ ماننا چاہیئے اپنے متعلق انہوں نے کہا کہ مجھے ہندوستان آکر یہ افسوس ناک چیز دیکھنی پڑی کہ یہاں کے مسلمان میرے متعلق بدگمان ہیں اور اپنے خلوص کے ثبوت میں انہوں نے مختلف طریقوں سے انگریزوں کو مسلمانانِ عالم کا دشمن ظاہر کیا ایک بہت عبرت انگیز بات انہوں نے یہ بتائی۔ کہ لندن میں کم از کم چھ اخبار ہندوؤں کے ایسے نکلتے ہیں جو مسلمانانِ ہند کے متعلق متواتر اور بہیم غلط بیانیاں کرتے رہتے ہیں لیکن اس پروپیگنڈہ کا ردِعمل کسی طرف سے نہیں ہوتا۔

چین کے متعلق انہوں نے بہت سے دلچسپ اور مفید حقائق بیان کئے جن سے ثابت ہوتا تھا کہ وہاں مسلمانوں کی حالت بفضلِ تعالیٰ بہت اچھی ہے۔ اُنکے خیال میں وہاں کم از کم پانچ کروڑ مسلمان موجود ہیں۔

آج صبح میں اور برادرم نذیر فیروز خاں نون کے مکان پر شیلڈریک صاحب سے ملنے گئے۔ قریباً ایک گھنٹہ بڑی پُرلطف صحبت رہی۔ میں نے اُن سے درخواست کی کہ وہ ہمارے مجوزہ اخبار کے لیے مختلف ممالک کے مسلمانوں کے نام اور پتے لکھ کر دیں۔ میں نے ان سے مختلف ممالک کے مسلمانوں کے حالات شائع کرنے کی تجاویز کا بھی ذکر کیا۔ چنانچہ انہوں نے مجھے پانچ مضمون بھی پرچے کے لیے دیئے جن میں سے ایک مضمون جاپان میں اسلام کی حالت کے متعلق تھا۔

آج کی گفتگو میں انہوں نے اس چیز پر بڑا زور دیا کہ دنیا میں یہودی محض مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جب کوئی یہودی یا یورپین عیسائی اسلام کا اعلان کرے تو اسے فوراً قبول نہ کرلینا چاہیئے بلکہ اس کا امتحان لیا جانا چاہیئے وہ کہتے ہیں کہ یہودی محض مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے مسلمان ہوتے ہیں اور بہت سے یورپین عیسائی اسلام کا اعلان دنیاوی غرض کے لیے کرتے ہیں ورنہ ان میں سے اکثر بہت گرے ہوئے اخلاق و عادات کے لوگ ہوتے ہیں۔

بقیہ: مدرسہ عربیہ مظہر العلوم

دے رہا ہے اور اس کا تعلیمی معیار بھی اچھا خاصا ہے۔ سندھ، بلوچستان کے گوشہ گوشہ میں اس مدرسہ کے فیض یافتہ پھیلے ہوئے ہیں مدرسہ ہذا میں پانچ تعلیمی شعبے ہیں۔

۱۔ علوم عربیہ دینیہ، دورہ حدیث، تفسیر فقہ، عقائد، ادب علم کلام وغیرہ۔

۲۔ فارسی قدیم و جدید

۳۔ علم قرأۃ و تجوید اور حفظ قرآن

۴۔ اردو، حساب، دینیات

۵۔ مدرسۃ البنات کو اسلامی اصولوں کے تحت چلانا اور پرائمری سکول میں صنعتی مرکز کا قیام۔

مدرسہ میں دس اساتذہ کام کر رہے ہیں اور ۲۰۶ طلبہ زیر تعلیم ہیں اور مدرسہ کی انتظامیہ کے زیرِ نگرانی مندرجہ ذیل ادارے بھی ہیں۔

۱۔ دار القرآن، ۲۔ جامع مسجد ۳۔ عیدگاہ ۴۔ کتب خانہ، ۵۔ دار المطالعہ ۶۔ مرکز نومسلمانان، ۷۔ محمد المرزوق خیراتی ہسپتال۔

(آخری قسط)

اسلامی ممالک میں مدرسہ کا تعلیمی نظام

مدرسہ عربیہ مظہر العلوم کراچی ۲

(ڈاکٹر محمد ایوب قادری)

مولانا عبید اللہ سندھی کا مدرسہ میں قیام

۱۹۳۹ء میں زعمائے سندھ کی کوششوں سے مولانا عبید اللہ سندھی طویل جلاوطنی کے بعد سندھ واپس آئے تو ان کا قیام مدرسہ عربیہ مظہر العلوم میں رہا۔ یہاں انہوں نے شاہ ولی اللہ دہلوی کے علوم افکار کی نشر و اشاعت کا پروگرام بنایا اور اسی مقصد کے لیے انہوں نے ۲۸ دسمبر ۱۹۳۹ء کو بیت الحکمت کی بنیاد رکھی جس کی جلد ہی ایک شاخ لاہور میں بھی قائم ہوگئی۔ مولانا عبید اللہ سندھی نے اپنے سیاسی نظریات کی تکمیل کے لیے زمیندار سندھ ساگر پارٹی قائم کی۔ مگر سرمایہ کی عدم فراہمی کی وجہ سے مولانا سندھی کا یہ منصوبہ روبعمل نہ آسکا اور جلد ہی مولانا عبید اللہ سندھی کا انتقال ہوگیا (۱۹۴۴ء)

شعبہ افتاء و قضا

مدرسہ عربیہ مظہر العلوم میں ایک شعبہ افتاء و قضا بھی قائم ہے دیار سندھ میں ہمیشہ سے دستور چلا آیا ہے کہ مسلمان طلاق، نکاح، میراث اور بیع و شریٰ جیسے اسلامی مسائل میں لوگ علمائے کرام سے رجوع کرتے ہیں اور ان سے فیصلے کراتے ہیں چنانچہ مولانا عبد اللہ کی خدمت میں شہر کراچی اور اطراف و اکناف سندھ سے لوگ آکر اپنے مقدمات کا شرعی فیصلہ کراتے تھے اس کے بعد یہ ذمہ داری مولانا محمد صادق کے سپرد ہوئی اور انہوں نے یہ فرائض بأحسن وجوہ انجام دیئے اور آج کل ان کے فرزند مولانا حافظ محمد اسماعیل یہ کام انجام دیتے ہیں اس کی بالعموم چار صورتیں ہوتی ہیں

۱۔ بالعموم استفتاء ہوتے ہیں جو سندھ اور بلوچستان سے آتے ہیں ان کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔

۲۔ محلہ اسلام آباد کھدہ، لیاری کوارٹرز اور شہر کے دوسرے علاقے کے مدعی و مدعا علیہ اور گواہوں وغیرہ کے بیانات سن کر فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اور اس فیصلہ کو فریقین بالعموم بخوشی تسلیم کر لیتے ہیں

۳۔ امانت نامہ قانون، حکومت کے قانون کے مطابق لکھوا کر فیصلہ کیا جاتا ہے فریقین میں سے اگر کوئی قبول نہیں کرتا ہے تو حکومت اس فیصلہ کو نافذ کرتی ہے۔ ایسی صورت شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔

۴۔ بعض لوگ خالص مذہبی مسائل میراث، نکاح اور طلاق وغیرہ کے مقدمات سرکاری عدالتوں میں لے جاتے ہیں۔ پھر مصارف اور طویل مدت کی تکلیف سے پریشان ہو کر بخوشی مدرسہ عربیہ مظہر العلوم کے شعبہ فصل خصومات میں آجاتے ہیں یا کبھی کبھی عدالت اس طرح کے مقدمات از خود دار القضاء میں بھیج دیتی ہے۔ دار القضاء میں باقاعدہ مقدمہ کی سماعت ہوتی ہے اور فیصلہ لکھ کر عدالت کو بھیج دیا جاتا ہے جس کو عدالت نافذ کر دیتی ہے۔ اس طرح مسلمانوں کو بہت فائدہ ہوتا ہے۔

کتب خانہ

مدرسہ عربیہ مظہر العلوم کا ایک قابل قدر کتبخانہ ہے جس میں ہر قسم کے علوم و فنون کی قدیم و جدید کتابوں کا بیش قیمت ذخیرہ ہے۔ طلبہ کی معلومات عامہ بڑھانے کے لیے ایک دار المطالعہ (فری لائبریری) کا بھی انتظام ہے جس میں کئی اخبار اور متعدد رسالے آتے ہیں۔ طلبہ اور اہل علم مختلف قسم کی کتابوں، رسائل و اخبارات، اردو، سندھی اور انگریزی کا مطالعہ کر کے اپنی معلومات میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔

کتب خانہ میں حدیث، فقہ، تفسیر، فرائض، کلام، تصوف، ادب، تاریخ، فلسفہ، منطق، جغرافیہ، ریاضی، صرف، نحو وغیرہ علوم پر عربی، فارسی، اردو، سندھی اور انگریزی میں تقریباً چھ ہزار کتابیں موجود ہیں۔ کتب خانہ میں بہت سے رسائل اور اخبارات کے فائل بھی موجود ہیں۔

مولانا عبد الرشید نعمانی نے مدرسہ عربیہ

مظہر العلوم کے کتب خانہ کے مخطوطات پر ایک قیمتی مضمون لکھا تھا۔ اس مضمون کے آغاز میں کتب خانہ کے متعلق مولانا نعمانی لکھتے ہیں:

"مدرسہ میں سینکڑوں درسی کتابوں کے علاوہ جو طلبہ کے لیے مخصوص ہیں، ایک اچھا خاصا کتب خانہ بھی ہے جس میں مختلف علوم و فنون کی تقریباً چار ہزار کتابیں ہیں جو مسجد کی بالائی عمارت میں الماریوں کے اندر قرینہ سے رکھی ہوئی ہیں۔ کتابوں کی فہرست فن وار حروف تہجی بہ ترتیب ہے۔ مخطوطات کی تعداد (۴۷) ہے جن میں سے قابل ذکر کتابوں کے متعلق معلومات ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔ ان کتابوں کا انتخاب یا تو ان کی ندرت کی بنا پر ہے مثلاً فرقہ زیدیہ کی کتابیں اس دیار میں نایاب ہیں یا اس لحاظ سے ہے کہ وہ کسی مشہور عالم کی نقل کردہ ہیں یا اس کے زیر مطالعہ رہ چکی ہے یا وہ خود مصنف کا اصل نسخہ ہے یا اس سے منقول ہے۔"

آج کل کتبخانہ کے مہتمم مولوی غلام محمد صاحب ہیں۔

شعبہ نشر و اشاعت

مدرسہ میں ایک شعبہ نشر و اشاعت بھی قائم ہے جس کی طرف سے اسلامی احکام و ضروریات پر وقتاً فوقتاً رسالے و ٹریکٹ ابھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ سندھ کے ممتاز مصنفین اور مؤلفین کی مفید کتابیں بھی شائع ہوتی ہیں اس سلسلہ میں مولوی حکیم فتح محمد سیوہانی کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے جن کی مندرجہ ذیل کتابیں مدرسہ کی طرف سے شائع ہوئیں۔

۱۔ اسلامی پہلی کتاب، ۲۔ اسلامی دوسری کتاب، ۳۔ اسلامی تیسری کتاب، (۴) اسلامی چوتھی کتاب، (۵) نور الایمان (مقدمہ تفسیر القرآن)، ۶۔ اخلاق محمدی، ۷۔ حیات النبی، ۸۔ سندھی قاعدہ۔ (بچوں کے لیے)، ۹۔ سندھی کی پہلی کتاب، ۱۰۔ سندھی کی دوسری کتاب، ۱۱۔ سندھی کی تیسری کتاب، ۱۲۔ سندھی کی چوتھی کتاب، (یہ کتابیں مسلمانوں کے ملا اسکولوں کے نصاب میں شامل رہیں)، ۱۳۔ کلمۃ الحق (اردو)، ۱۴۔ کلمۃ الحق (سندھی) مرتبہ مولانا محمد صادق۔ ۱۵۔ فری میسن تحریک کی حقیقت، ۱۶۔ اسلام میں مزدوروں کے حقوق۔ مولفہ مولوی حافظ محمد اسمٰعیل۔

مدرسہ کی طرف سے مختلف اوقات میں اردو اور سندھی زبان میں ماہانہ رسالے بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے ماہنامہ "الجامعۃ" کا نام آتا ہے جو مولوی حکیم فتح محمد سیوہانی کی زیر ادارت شائع ہوا۔ یہ سندھی زبان کا علمی ادبی اور مذہبی ماہنامہ تھا۔ مدرسہ کی کیفیت اور روئیداد اس رسالہ میں شائع ہوتی تھی اسے ہم مدرسہ کا آرگن کہہ سکتے ہیں۔ اس کے دو سال کے پرچے ہماری نظر سے گذرے ہیں۔

شعبان المعظم ۱۳۹۱ھ (اکتوبر ۱۹۷۱ء) میں مولوی حافظ محمد اسمٰعیل کی زیر ادارت ایک اردو ماہنامہ "منبر الاسلام" جاری ہوا۔ غازی صاحب نے اس کے اجراء کی مندرجہ ذیل تاریخ کہی ہے۔

منبر الاسلام علم و فکر کا اقدام ہے
یہ ادب کی بزم میں اسلام کا پیغام ہے
کیوں نہ ہوں اسکے مضامین شمع ایمان و یقین
ترجمان وحی حق ہے شارح الہام ہے
کفر کے اس عہد میں الحاد کے اس دور میں
ایسے پرچوں ہی سے غازی عظمت اسلام ہے
ہر زباں پر ذکر ہے اس کا جو علمی بزم میں
سال تاریخی ہے "ذاکر منبر الاسلام" ہے

منبر الاسلام کم و بیش دو سال جاری رہ کر بند ہو گیا۔ اس کے مضامین عام پسند علمی، مذہبی اور تاریخی نوعیت کے ہوتے تھے۔ ہر شمارہ میں شاہ ولی اللہ دہلوی کے علوم و افکار پر ایک آدھ مضمون ضرور ہوتا تھا۔

آجکل مدرسہ کی طرف سے ایک ماہنامہ "الصادق" سندھی زبان میں شائع ہوتا ہے اس میں مفید علمی و ادبی اور مذہبی مضامین ہوتے ہیں۔ مولوی حافظ محمد اسمٰعیل اس کے مدیر اعلیٰ ہیں۔ اس کے تین پرچے ہماری نظر سے گذرے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا محمد صادق کا دور اہتمام مدرسہ کا زریں دور رہا ہے۔ دینی علوم کی ترویج کے علاوہ سیاسی و ملی خدمات کے اعتبار سے بھی مدرسہ نے خاص شہرت حاصل کی۔ مدرسہ کے لیے نامور علماء اور مدرسین کی خدمات حاصل کی گئیں۔ جن میں مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا محمد صادق، مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی (ڈائرکٹر شاہ ولی اللہ اکیڈیمی) مولانا حافظ فضل احمد مولانا محمد مدنی (مترجم قرآن (سندھی) مولانا نافع گل، قاری رعایت اللہ، مولانا عبد الرحمن اور مولانا ہدایت اللہ کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ کراچی، سندھ اور بلوچستان کے علاوہ سرحد، ایران، جاوا، ملایا، چینی ترکستان اور افغانستان کے طلبہ بھی مدرسہ میں تعلیم کرتے رہے ہیں اور فارغ التحصیل ہو کر انہوں نے اپنے اپنے علاقوں میں دینی خدمات انجام دی ہیں۔

مدرسہ عربیہ مظہر العلوم کی دینی، ملی اور سیاسی خدمات کی وجہ سے ملک کے مشاہیر، علماء، عمائد اور اکابر ملک و قوم کی اس مدرسہ کی طرف توجہ رہی ہے وہ مدرسہ میں آتے رہے ہیں۔ اور

انہوں نے اس کے متعلق گرانقدر رائے کا اظہار کیا ہے اور اس طرح انہوں نے علم دوستی معارف پروری اور طلبہ نوازی کا ثبوت دیا ہے ذیل میں چند حضرات کے نام درج کیے جاتے ہیں جنہوں نے وقتاً فوقتاً مدرسہ کا معائنہ کیا ہے۔

۱۔ مولانا ابوالکلام آزاد، ۲۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری، ۳۔ مولانا محمد علی، ۴۔ عبدالمجید سالک مدیر انقلاب، ۵۔ مولانا ظفر علی خاں مدیر زمیندار ۶۔ مولانا آزاد سبحانی، ۷۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن ۸۔ مولانا شبیر احمد عثمانی، ۹۔ قاری محمد طیب، ۱۰۔ مولانا احمد اشرف (راندیر) ۱۱۔ مفتی کفایت اللہ ۱۲۔ مولانا سید حسین احمد مدنی، ۱۳۔ مولانا احمد علی لاہوری ۱۴۔ مولانا شمس الحق افغانی، ۱۵۔ مولانا محمد یوسف بنوری، ۱۶۔ مفتی اعظم فلسطین محمد امین الحسینی ۱۷۔ مولانا یوسف داؤد (مفتی اعظم برما) ۱۸۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی، ۱۹۔ مفتی محمود ۲۰۔ مولانا اسعد مدنی، ۲۱۔ سید الطاف علی بریلوی

اس کے علاوہ عرب، مصر، شام، عراق الجزائر اور ترکی وغیرہ کے سفراء و علماء بھی مدرسہ میں آتے رہتے ہیں اور انہوں نے مدرسہ کے متعلق گرانقدر آراء کا اظہار کیا ہے۔

مدرسہ میں طلباء کی ذہنی و جسمانی صحت و تربیت کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ صاف ستھرے ماحول کے علاوہ طلبہ کی بیماری کی حالت میں دوا اور علاج کا بھی انتظام ہوتا ہے طلبہ کے لیے ورزش اور کھیلوں کا بھی اہتمام ہے جو طلبہ دارالاقامہ میں رہتے ہیں انہیں طعام و لباس بھی مدرسہ کی طرف سے مہیا کیا جاتا ہے۔ طلبہ سے تحریر و تقریر کی مشق بھی کرائی جاتی ہے۔ مولانا محمد صادق کو سندھ کے اکابر و علماء کا مدرسہ کے سلسلہ میں مستقل تعاون حاصل رہا جس سے مدرسہ کی ترقی کے لیے راہ ہموار ہوئی۔ مدرسہ کے معاونین کے چند نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ مولوی حکیم فتح محمد سیوہانی۔ ۲۔ حاجی سید عبدالرحیم (رئیس سجاول) ۳۔ ڈاکٹر احمد سعید ۴۔ محمد ہاشم گزدر۔ ۵۔ پیر غلام مجدد سرہندی، ۶۔ قاضی خدا بخش ایڈووکیٹ، ۷۔ شیخ عبدالمجید سندھی (ایڈیٹر الوحید) ۸۔ مولانا عبدالحق مدنی، ۹۔ مولانا حافظ محمد عثمان بلوچ، ۱۰۔ حکیم عبدالخالق مورائی۔ وغیرہ وغیرہ۔

مولانا محمد صادق ایک مخلص، بیدار مغز باوقار عالم اور فہم و فراست کے پیکر تھے۔ ان کے زمانہ میں مدرسہ نے ہر اعتبار سے ترقی کی مسجد کی تعمیر کے علاوہ مدرسہ کے لیے دو منزلہ عمارت تعمیر ہوئی۔ جو ایک وسیع سماعت گاہ اور بائیس کمروں پر مشتمل ہے۔ کتب خانہ کی مستقل عمارت ہے۔ مدرسہ کا تعلیمی معیار اعلیٰ رہا ہے۔ مدرسہ میں درس نظامی کا نصاب قدرے ترمیم کے ساتھ رائج ہے۔ یہ نصاب آٹھ سالہ مدت پر مشتمل ہے۔ دورہ حدیث بھی ہوتا ہے۔ مدرسہ کا انتظام ایک کمیٹی کرتی ہے جس کا نام "ایسوسی ایشن مدرسہ عربیہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی" ہے۔

۷ر شوال ۱۳۷۲ھ/۸ر جون ۱۹۵۳ء کو مولانا محمد صادق کا انتقال ہوا۔ اس طرح مدرسہ کا دوسرا دور اتمام کو پہنچا۔ "مخزن کرم مولانا محمد صادق" (۱۳۷۲ھ) اور "خلاصہ اخیار مولانا محمد صادق" (۱۹۵۳ء) راقم الحروف نے تاریخ انتقال نکالی ہے۔ دو مرتبہ خاکسار کو مولانا محمد صادق سے شرف ملاقات بھی حاصل ہوا۔ مدرسہ اور مولانا محمد صادق سے متعلق مولانا عبدالرشید نعمانی نے مختصر مگر جامع تبصرہ فرمایا ہے جسے ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں:-

"مدرسہ عربیہ مظہر العلوم کراچی کا مشہور مدرسہ ہے جس نے اس گئے گزرے دور میں دین اور دینی تعلیم کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں اس دیار میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ مدرسہ کا نصاب تعلیم تھوڑے تغیر کے ساتھ وہی درس نظامی کا مروجہ نصاب ہے اس کی تاسیس ۱۳۰۲ھ میں مولانا عبداللہ صاحب مرحوم کے ہاتھوں عمل میں آئی جب سے لے کر آج تک شہر کراچی میں یہی واحد دینی درسگاہ ہے جو طلبہ علوم دینیہ کے لیے شمع فروزاں کا کام دیتی رہی ہے۔ مدرسہ کے موجودہ مہتمم مولانا مفتی محمد صادق صاحب دامت برکاتہم ایک سن رسیدہ بزرگ ہیں جو بانیٔ مدرسہ کے صاحبزادے اور شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب اسیر مالٹا رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ مولانا نہایت ہی نیک دل، متواضع اور بااخلاق عالم ہیں۔ جنہیں دیکھ کر پرانے بزرگوں کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ مولانا کے عہد میں مدرسہ نے ترقی کی بہت سی منزلیں طے کی ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ حق تعالیٰ اس کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔"

مولانا محمد صادق کے انتقال کے بعد مدرسہ کے مہتمم ان کے بھانجے اور داماد مولانا حافظ فضل احمد ہوئے حتی الوسع انہوں نے مدرسہ کی خدمت میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ مگر حافظ صاحب کا دور اہتمام جلد ہی ختم ہو گیا ان کے انتقال کے بعد مولانا محمد صادق کے فرزند مولوی حافظ محمد اسماعیل صاحب نے اہتمام کا منصب سنبھالا اور آج کل وہی مدرسہ کے روح رواں ہیں اور ان کی سرپرستی میں کراچی کا یہ قدیم مدرسہ پورے انہماک اور خلوص کے ساتھ دینی خدمت انجام

(باقی ۲۰ پر)

ملک کے معروف روزنامہ جنگ راولپنڈی کی اشاعت ۲۰ اگست ۱۹۸۰ء میں شائع شدہ مضمون پیشِ خدمت ہے (ادارہ)

مفسرِ قرآن

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

کی زندگی کے چند پہلو

تحریر
حافظ عزیز الرحمان خورشید، بھیرہ

مولانا غلام رسول مہر مرحوم اپنے ایک مضمون "بزرگانِ دیوبند" میں لکھتے ہیں کہ بزرگانِ دیوبند میں سے جن مقدس ہستیوں کو اوّلین درجہ کا احترام و اعزاز حاصل ہے وہ حضرات حاجی امداد اللہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ہیں ان کے اسمارِ گرامی اس سرزمین کے آسمان پر ان درخشاں ستاروں کی طرح روشن ہیں جو تاریکی کے وقت صحراؤں میں مسافروں اور سمندروں میں ملاحوں کو راستے بتاتے ہیں وہ اپنی زندگیوں میں علم و ہدایت کے مشعل بردار تھے۔ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اپنے پیچھے پاکیزہ علمی نمونے چھوڑ گئے جو دلوں اور روحوں میں برابر دینِ حق کے ولولے پیدا کرتے رہیں گے خصوصاً حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی تو ایک یادگار دار العلوم دیوبند ایسی ہے جو تقریباً ایک صدی سے دینی علوم کے تحفظ اور اشاعت کا ایک بہت بڑا سرچشمہ رہی ہے اس کی آغوش میں سینکڑوں ایسی ہستیوں نے تربیت پائی جن کے کارنامے دین و سیاست دونوں کے دوائر میں قابلِ فخر ہیں (نئی دنیا مدنی دہلی نمبر صفحہ ۳۳)

انہیں قابلِ قدر ہستیوں میں سے ایک شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی ذات ہے جن کے علم و فضل کے چرچے آج دنیا کے کونے کونے میں گونج رہے ہیں حضرت اقدس کا شمار ان اکابرینِ امت میں ہوتا ہے جو عالم باعمل ہونے کے علاوہ درجۂ ولایت میں بھی ممتاز مقام رکھتے تھے، آپ نے زندگی بھر جس انداز سے قرآنِ پاک کے ترجمے اور تفسیر کا درس دیا اس کی نظیر ماضی قریب میں بہت کم ملتی ہے۔ آپ کے درس میں شامل ہو کر استفادہ حاصل کرنے والے لوگوں میں محض علماء ہی نہیں بلکہ انگریزی دان طبقہ کی بھی ایک بہت بڑی تعداد شامل ہے۔

فرنگی کے زمانہ میں کلمۂ حق بلند کرنا گویا اپنے آپ کو مصائب و آلام میں ڈالنا تھا جب حضرت لاہور آئے اہلِ لاہور کے دل زنگ آلود ہو چکے تھے، قرآن و سنت کے مقابلہ میں رسم و رواج سے ان کو پیار تھا۔ ضابطہ خداوندی ہے کہ جب وہ کسی قوم ہدایت کا فیصلہ فرماتے ہیں تو اس کے لیے اسباب بھی خود مہیا فرماتے ہیں۔ مولانا احمد علیؒ لاہور اپنی مرضی سے نہیں آئے تھے بلکہ فرنگی نے آپ کو یہاں پابند کر دیا تھا۔ خدا کا یہ مجبور بندہ توکلت علی اللہ کا نعرہ لگاتا ہوا شرک و بدعت کی تاریکی میں توحید و سنت کا روشن چراغ لے کر نکلا۔ ہزار آندھیاں چلیں مگر جو چراغ اس مردِ حق کے ہاتھ میں تھا اس کو نہ بجھا سکیں اور وہ چراغ بجھتا بھی کیوں جب کہ فیصلہ

○ زندہ علی ہجویری دیکھنا ہو تو شیرانوالہ لاہور میں مولانا احمد علیؒ کو دیکھو۔ (ایک مجذوب) ○ احمد علیؒ نور ہے (حضرت میاں شرقپوری) ○ علم کی تحصیل آپ نے دیوبند میں کی لیکن تکمیل لاہور میں مولانا احمد علیؒ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہوگی۔ (مولانا سید حسین احمد مدنیؒ) ○ حضرت مرحوم بہت بڑے بزرگ اولیاء اللہ میں سے تھے (حضرت رائے پوریؒ) ○ ایک سو سال پہلے اور ایک سو سال بعد تک مجھے ان جیسی کوئی شخصیت نظر نہیں آتی (امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ) ○ ملتِ اسلامیہ ایک عالم باعمل، مجاہد فی سبیل اللہ، عابد و زاہد اور علوم قرآن کے مبلّغ و معلّم سے محروم ہو گئی (مولانا سید داؤد غزنوی) ○ (یہ آرار ہیں وقت کے عظیم مشائخ اور نامور خطباء کی حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری کے متعلق)

○ وہ مولانا احمد علی لاہوری جس نے آزادی کے حصول کیلئے اپنی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ جیل میں گزارا ○ وہ احمد علیؒ جس نے ذکر الٰہی سے جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں کو منور کیا ○ وہ احمد علیؒ جس نے ساری عمر لوگوں کو قرآن سنایا اور ان کے سینوں کو گرمایا۔ ○ شیخ الہندؒ کا چہیتا شاگرد، حضرت دین پوریؒ اور حضرت امروٹیؒ رحمۃ اللہ علیہ کا وفاشعار مرید، مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا لاڈلا جانشین جس کو دنیا امام الاولیاء، امیر العلماءؒ اور شیخ التفسیر کے ناموں سے جانتی ہے۔

خداوندی ہے کہ "اللہ روشنی کو پورا کرکے بغیر نہیں رہے گا اگرچہ کافر ناپسند ہی کریں"۔

لوگوں نے بدکلامی کی۔ احمد علیؒ نے دعائیں دیں۔ لوگوں نے پتھر مارے۔ احمد علیؒ نے قرآن دیا۔ اس لیے وہ اس نبیؐ کا غلام تھا جس کے بارے میں حالی مرحوم نے کہا تھا۔ ع

سلام اس پر جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

حضرت نے جن حالات میں قرآن کریم کی تفسیر کا آغاز کیا اس کے بارے میں آپ کے خصوصی شاگرد مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن ندوی کے بیان کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔

"مولانا نے تقریباً نصف صدی قرآن مجید کی خدمت و اشاعت اور دینی دعوت و اصلاح کا کام کیا، اور اس سلسلہ میں آپ نے جس طرح ثبات و استقامت کا ثبوت دیا، وہ بغیر اعلیٰ درجہ کی روحانی قوت کے مشکل ہے جب انگریزی حکومت نے آپ کو دہلی سے جلاوطن کرکے لاہور پہنچایا تو آپ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر درس قرآن کا آغاز کیا۔"

اللہ اللہ آپ کے استاد حضرت شیخ الہندؒ کی تعلیم کا آغاز دیوبند میں انار کے درخت کے نیچے ہوا اور آپ کے شاگرد نے بھی درخت کے نیچے بیٹھ کر درس کا آغاز فرمایا۔

استاد نے مالٹا کے جیل خانہ میں قید رہ کر قرآن کا ترجمہ لکھا اور شاگرد نے لاہور آکر بے سرو سامانی کے عالم میں قرآن کی تفسیر لکھی۔

مولانا لاہوریؒ نے قرآن کریم کا جو ترجمہ اور حاشیہ لکھا اس کی تصدیق اس وقت کے جید علماء نے کی۔

دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیریؒ نے فرمایا میرے نزدیک قرآن کریم کا یہ بنیادی دور ہوگا۔ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے فرمایا۔ مولانا احمد علیؒ کو ازل ہی سے چن کر اس عظیم الشان امر کے لیے مقرر کر دیا گیا تھا جن کی جدوجہد اور جاں فشانیاں بفضلہٖ تعالیٰ عرصہ دراز سے اس چمنستان میں بار آور ہو رہی ہیں۔ مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ دہلویؒ نے فرمایا مولانا احمد علیؒ نے جس صورت سے کتاب اللہ کی خدمت کی ہے۔ یہ انشاء اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے بہت مفید ہوگا اور ان کے قلوب میں قرآن مجید کی تلاوت کی رغبت اور مضامین قرآنیہ پر غور کرنے اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنے کا قوی وسیلہ ثابت ہوگی۔ میں نے اس کا جستہ جستہ مقامات سے مطالعہ کیا اور اس طرز کو مفید اور سہل پایا، میری نظر میں کوئی بات مسلک اہل سنت والجماعت کے خلاف نہیں آئی۔

مورخ اسلام مولانا سید سلیمان ندویؒ نے فرمایا مولانا احمد علیؒ نے سارے قرآن پر التزام کے ساتھ ایسے حواشی لکھے ہیں جن میں ربط و تسلسل کے رموز و اسرار منکشف ہو جاتے ہیں اور مختلف لفظوں میں آیات کے وہ حقیقت پرور مطالب سامنے آجاتے ہیں جن سے تفسیر کی بڑی بڑی کتابیں خالی ہیں۔

مولانا سید ابوالحسن ندوی آپ کے درس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں، رفتہ رفتہ آپ کے درس نے شہر میں عام مقبولیت حاصل کرنی شروع کی اور پھر وہ پنجاب کا سب سے بڑا درس قرآن بن گیا حضرت کی اس کوشش کی وجہ سے پنجاب میں درس قرآن کا ذوق عام ہوا اور جگہ جگہ اس کی بنیاد پڑی۔ درس قرآن کا ناغہ یا تو جمعہ کو ہوتا یا جب آپ سفر میں ہوتے اس کے علاوہ کسی صورت میں بھی درس کا ناغہ نہ فرمایا۔ عوام الناس کے واسطے نماز فجر کے بعد اور انگریزی دان طبقے اور کالجوں کے طلباء کے لیے مغرب کے بعد اور آخر شعبان میں علماء کرام کی کلاس ہوتی۔ اس درجہ میں مدرسہ عربیہ سے فارغ التحصیل اور آخری درجوں کے مستند طلباء کو داخلہ ملتا۔ داخلہ سے قبل حضرت امتحان لیتے اور پھر داخل فرماتے۔ آخر میں امتحان لے کر کسی صاحب نسبت بزرگ کے ہاتھ سے سندیں دی جاتیں تھیں۔ اس سند پر حضرت سید انور شاہ کاشمیریؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانی کے دستخط ہیں ـــ مولانا ندوی آخر میں لکھتے ہیں مردان خدا کی خدمت میں حاضر ہونے ان سے تعلق پیدا کرنے اور اپنے نفس کی اصلاح کا شوق اس درس سے پیدا ہوا اور یہ اس درس کا احسانِ عظیم ہے بعد میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ترجمہ اور تفسیر قرآن کے اسباق سپرد ہوئے تو اس سے مجھے مدد ملی۔

(شیخ التفسیر اور ان کے رفقاء)

سابق رئیس الجامعہ پنجاب علامہ علاؤ الدین صدیقی مرحوم "ایک مفسر قرآن" کے افتتاحیہ میں لکھتے ہیں کہ:

خدام الدین اور مخدومان ملت کا ایک نورانی قافلہ ہماری آنکھوں کے سامنے گزشتہ چند برسوں میں جہانِ فانی سے نکل کر راہی ملکِ بقا ہو گیا۔ عظمت کا ایک دور تھا جسے آنکھیں پھر نہ دیکھ سکیں گی۔ اس مقدس کارواں میں مفسر، محدث، فقیہہ، اولیاء، اصفیاء سب شامل ہیں۔ ان میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علیؒ اس طرح خصوصاً قابل ذکر ہیں کہ ماضی قریب میں اس سرچشمہ فیض سے سیراب ہونے والوں کی وسیع تعداد اطراف و اکناف عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔ خدمت قرآن کے اعتبار سے اس زمانے میں شاید ہی کسی بزرگ نے اتنی شہرت پائی ہو پاکستان و ہندوستان سے باہر افریقہ، مشرق وسطیٰ انڈونیشیا اور ملائیشیا میں خود اس احقر کو ان افراد سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا جنہیں اس چشمہ

فیضِ قرآن سے فیض یاب ہونے کی عزت ملی
بلکہ بعض اوقات اس ذرے کو اس آفتاب سے
جو تعلق تھا۔ وہ باہر کے ممالک میں بھی باعثِ صد
عزت و احترام بنا۔ استاد کی شہرت، علم و عمل
اقصائے عالم میں پھیلی ہوئی ہے حضرت نے ایک
طویل عرصہ کتاب و سنت کی خدمت کی۔ آپ کے
ہاں خصوصی قرآن کریم کا درس، مشکوٰۃ شریف کا
درس اور حضرت شاہ ولی اللہ مرحومؒ کی مقبول علم
کتاب حجۃ اللہ البالغہ کا درس دیا جاتا تھا۔ قرآن
کریم کے حقائق و معارف سے آشنا کرنا آپ کا خاص
کمال تھا۔ علوم مغرب کے سینکڑوں عشاق کو آپ نے
قرآن کے علوم و معارف پڑھائے جس کی وجہ سے ان
لوگوں کی زندگی میں انقلاب برپا ہو گیا۔ عوام کے
دلوں میں قرآن کریم سے وابستگی پیدا کرنے کی خداداد
صلاحیت آپ کے اندر موجود تھی۔

• محدثِ دوراں حضرت سید انور شاہ کاشمیریؒ
نے حضرت لاہوریؒ کی اشاعتِ قرآن کے کارہائے
نمایاں کو اپنے اوپر احسان سے تعبیر فرمایا۔

• شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید
حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اختتام سال پر دیوبند
سے فارغ ہونے والے طلباء سے فرماتے کہ علم آپ
نے دیوبند میں رہ کر حاصل کیا ہے اور اس کی تکمیل
آپ لاہور جا کر حضرت شیخ التفسیر کے درسِ تفسیر
میں شریک ہو کر کریں۔

• آپ کے درس قرآن میں قطبِ دوراں
میاں شیر محمد صاحب شرقپوری شرکت فرمایا کرتے تھے
حضرت میاں صاحب نے بارہا فرمایا۔ کہ جب میں
شیرانوالہ کی طرف نگاہ کرتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا
ہے کہ فرش زمین سے عرش بریں تک نور کی قندیلیں
روشن ہیں اور دنیا کو اپنی ضیاء پاشیوں سے منور کر
رہی ہیں۔ حضرت لاہوریؒ جب بھی شرقپور تشریف
لے جاتے تو حضرت میاں صاحبؒ آپ کو جائے مصلیٰ
پر کھڑا کرتے اور خود آپ کی اقتداء میں نماز ادا فرماتے۔

انڈیا آفس لائبریری لندن کے ریکارڈ کے
مطابق مولانا احمد علی کی شخصیت یوں درج ہے۔

پسر شیخ حبیب اللہ آف بابو چک ضلع گوجرانوالہ
سندھ میں مولوی عبید اللہ کی نگرانی میں تعلیم پائی۔
تکمیل تعلیم کے بعد مدرسہ گوٹھ جھنڈا ضلع حیدرآباد
سندھ میں بطور استاد تقرر ہوا بعد میں انہیں اسی عہدہ
پر نواب شاہ میں مولوی عبید اللہ کے قائم کردہ دوسرے
اسکول میں منتقل کر دیا گیا۔ جب دلی میں نظارۃ المعارف
القرآنیہ قائم ہوا تو کچھ دن احمد علی طالب علم رہے
لیکن وہ جلد ہی پروفیسر بن گئے بالآخر انہیں
نظارۃ المعارف کا ناظم مقرر کر دیا گیا۔

• مولوی عبید اللہ سندھی کابل میں مولوی عبد اللہ
سے جو فتاویٰ اور خطوط لائے — وہ ایم احمد علی
کے لیے تھے جنہوں نے تمام خطوط ٹھیک ٹھیک تقسیم
کرا دیئے تھے۔ ان کا رابطہ محی الدین عرف برکت علی
بی اے آف قصور، خواجہ عبد الحی آف گورداسپور،
ڈاکٹر صدر الدین، ابو الکلام آزاد اور حسرت موہانی
وغیرہ وغیرہ سے تھا۔

لاہور ضلع گورداسپور سے انہیں آنے جانے
کی ممانعت کر دی گئی تھی بعد میں ضمانت پر مارچ
۱۹۱۷ء میں رہا کر دیا گیا۔

جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ کرنل ہیں بعد
کی تحقیقات سے ثابت ہوا کہ ایم احمد علی اتحاد اسلامی
کی تحریک جہاد کے ایک سرگرم ممبر تھے۔ نظارۃ المعارف
میں ان کی رہائش گاہ وقتاً فوقتاً اس تحریک کے مرکز
کا کام دیتی تھی اور آزاد علاقے کو جانے اور وہاں
سے آنے والے اس میں ٹھہرا کرتے تھے ص ۳۹۱

• آپ کی پیدائش رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ
بروز جمعہ قصبہ جلال ضلع گوجرانوالہ میں ہوئی۔
ابتدائی تعلیم گھر پر اور گوجرانوالہ میں حاصل کی۔
بعد ازاں امروٹ شریف اور پیر جھنڈا میں مولانا
عبید اللہ سندھی کی نگرانی میں مزید تعلیم حاصل کی۔ اعلیٰ
تعلیم کے لیے دیوبند حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں
پہنچے، پیر جھنڈا نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی اور
علی گڑھ میں تدریس کے فرائض انجام دیئے۔

حضرت امروٹیؒ اور حضرت دین پوریؒ سے
طریقت کا تعلق قائم کیا۔ تحریک ریشمی رومال،
تحریک خلافت، تحریک ختم نبوت اور دیگر مذہبی و ملی
تحریکوں میں نمایاں کردار ادا کیا۔

• متعدد بار جیل جانا ہوا۔
• ۱۹۲۲ء میں لاہور میں انجمن خدام الدین
کی بنیاد رکھی۔
• ۱۹۲۴ء میں مدرسہ قاسم العلوم جاری کیا۔
• ۱۹۲۵ء تا ۱۹۲۷ء قرآن کریم کا ترجمہ اور
حواشی پورے کیے۔
• ۱۹۳۴ء میں مدرسہ قاسم العلوم کی ذاتی عمارت
مکمل ہوئی جس کا افتتاح مولانا شبیر احمد عثمانی نے کیا۔
• ۱۹۴۵ء میں مدرسۃ البنات بنایا۔
• ۱۹۴۵ء میں شعبہ نشر و اشاعت قائم کیا اس
شعبہ نے ۲۴ رسائل کا سیٹ شائع کیا۔ یہ رسائل اس
وقت تک ۱۵ لاکھ کی تعداد میں شائع ہوئے ہیں ان
کے علاوہ انگریزی رسائل کی تعداد ۵۰ ہزار سے زائد ہے۔
• ۱۹۵۵ء میں ہفت روزہ خدام الدین کا اجراء ہوا۔
• آپ ابتداء سے انجمن حمایت اسلام کے رکن
تھے ۱۹۳۲ء میں جنرل کونسل کے رکن مقرر ہوئے اور
۱۹۵۰ء میں نائب صدر مقرر ہوئے۔ یہ سلسلہ تا زیست
قائم رہا۔
• تقسیم سے قبل آپ جمعیۃ علماء ہند کے اسٹیج پر
کام کرتے رہے اور بعد از تقسیم آپ نے ملتان میں
تمام علماء کا اجلاس بلا کر جمعیۃ علماء اسلام کو منظم کرنے

کا پروگرام بنایا۔ اس موقع پر آپ جمعیۃ علماء اسلام کے امیر منتخب ہوئے۔

• مرحوم ایوب خاں جب مارشل لاء کے ذریعہ برسرِ اقتدار آئے اور جماعتوں پر پابندی لگا دی گئی۔ تو آپ نے اس موقع پر نظام العلماء کے نام سے علماء کی خالص دینی تنظیم قائم کی جس کا امیر آپ کو بنایا گیا۔

• آزاد کشمیر میں مفتیوں کے تقرر اور اس نظام کو بہتر بنانے کے لیے آپ نے آزاد کشمیر کی حکومت کی دعوت پر دورہ کیا اور اس نظام کو کامیاب بنانے کے لیے حکومت آزاد کشمیر کی مدد کی۔

• ۱۹۵۱ء میں کراچی میں جن علماء نے حکومتِ پاکستان کو ۳۱ نکاتِ اسلامی آئین کے لیے مرتب کیے تھے ان میں آپ بھی شامل تھے۔

آپ زندگی میں ہمیشہ یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ اللہ! میں صبح کی نماز پڑھ کر درس قرآن دوں اور ظہر سے پہلے مجھے موت عطا فرما۔ تاکہ میری کوئی نماز قضا نہ ہو۔ یا پھر کوئی ایک ہی نماز ادا کروں اور دوسری سے پہلے تیرے پاس پہنچ جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی۔ جمعۃ المبارک ۱۷ رمضان ۱۳۸۱ھ کو صبح کی نماز سے پہلے مرض الموت کا حملہ ہوا۔ عشاء تک نمازیں بیماری کی حالت میں ادا کرتے رہے۔ اگرچہ بیہوشی طاری ہو گئی تھی لیکن جب نماز کا وقت آتا تو آپ ہوش میں آ جاتے تبسم فرماتے اور نماز ادا کرتے پھر بیہوشی طاری ہو جاتی۔ اس طرح ۸ بجے شب خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

آپ کے انتقال کی خبر آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی دور و نزدیک سے عقیدت مند اور خدام لاہور پہنچے۔ تمام علماء کے متفقہ فیصلے کے مطابق آپ کے جانشین مولانا عبید اللہ انور نے نماز جنازہ پڑھائی جنازہ میں بلا مبالغہ دو لاکھ کے لگ بھگ افراد تھے جونہی آپ کی تدفین عمل میں آئی موسلا دھار بارش برسی۔ قبر میں سے ایک عجیب قسم کی خوشبو آئی۔ کچھ افراد نے قبر کی مٹی کا تجزیہ کر کے رپورٹ دی کہ مٹی میں خوشبو صاحبِ قبر کی وجہ سے ہے ماضی بعید میں امام بخاری کی قبر سے خوشبو آئی اور ماضی قریب میں دار العلوم دیوبند کے مولانا میاں اصغر حسین صاحب مرحوم اور مولانا احمد علی لاہوریؒ کی قبروں سے خوشبو آئی۔ ؏

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اے کلام اللہ کے دانائے اسرار و رموز
منکشف تھے ذہن پر تیرے حقیقت کے کنول
تجھ سے روشن تھا نبوت کے حقائق کا سراغ
رہنمائے فکر تھا عسرو قاسم کا دماغ
تجھ کو سندھیؒ نے سکھائے تھے رموزِ انقلاب
تھی فرد آموز تیرے واسطے ام الکتاب
گلشن فردوس کے سانچے میں ڈھلتی جائیگی
تیری تربت سے سدا خوشبو نکلتی جائے گی

لاہور کے بڑے بوڑھوں کی زبان سے میں نے خود سنا کہ اس سے قبل اتنا بڑا جنازہ غازی علم الدین شہید کا ہوا اور پھر دوسرا جنازہ مولانا احمد علی کا لاہور میں بڑے بڑے لوگوں کے جنازے اٹھے۔ مگر جو رونق احمد علی کے جنازے کو نصیب ہوئی اس کی مثال نہیں ہے!

سلطان الہند اورنگزیب عالمگیرؒ

ظفر احمد قادری واہگہ

پیدائش سلطان الہند اورنگ زیب شاہجہانؒ کے صاحبزادے تھے ارجمند بانو ممتاز محل کے بطن سے ۱۵ ذیقعد ۱۰۲۸ھ شب یکشنبہ میں بمقام دوحہ پیدا ہوئے آفتاب عالم تاب تاریخ پیدائش ہے۔

تخت نشینی ۳۹ سال ۱۱ ماہ ۲۰ یوم کی عمر میں ۱۰۶۸ھ کو تخت نشین ہوئے۔ اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ سے تاریخ جلوس نکلتی ہے۔

انتقال پچاس برس ۲۷ یوم حکومت کر کے ۲۸ ذیقعد ۱۱۱۸ھ بروز جمعہ دکن میں انتقال ہوا۔

رَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيمٍ ٥ سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ خلد آباد دکن میں مدفون ہوئے۔ اکانوے سال تیرہ یوم کی عمر ہوئی خلد مکان بعد وفات لقب ملا۔

تعلیم مولانا قنوجی اور مولانا سعد اللہ علامی اور دیگر فضلاء کرام سے عربی فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ تفسیر و حدیث پر کافی عبور تھا۔ ترکی زبان بھی جانتے تھے۔

صفات درویش مزاج ماہر علم دین عدل گستر اور انتہائی شجاع و مدبر تھے آپ کی حسن سیرت اور تقویٰ شعاری کی ہر منصف مزاج ہمعصر مورخ اور سیرت نگار نے تعریف کی ہے۔

تخت پر قرآن حفظ کیا آپ حافظ قرآن

بھی تھے اور کمال یہ کہ آپ نے تختِ حکومت
پر بیٹھ کر قرآن حفظ کرنا شروع کیا اور
تیسوں پارے اپنے سینے میں محفوظ
کرلئے۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰىٓ سے
تاریخ آغاز حفظ نکلتی ہے۔ اور لَوحِ
محفوظ سے اختتامِ حفظ کی تاریخ
نکلتی ہے۔

بیعت کرنا حضرت مجدد الف ثانی قدس
سرہٗ کی وفات کے وقت آپ کی عمر
۵ سال تھی۔ اُن کے صاحبزادے خواجہ
محمد معصوم سرہندی سے بیعت فرمائی
اور حضرت خواجہ سیف الدینؒ سرہندی
نبیرہ حضرت مجددؒ سے سلوک طے کیا۔
خواجہ محمد نقشبندؒ اور خواجہ محمد زبیرؒ کی زیارت
سے بھی حسبِ قول صاحب روضۃ القیومیہ
مستفیض ہوتے۔ آپ کی خصوصیات
مآثر عالمگیری اور نزہۃ الخواطر وغیرہ سے
لکھی جاتی ہیں۔

مسلک حضرت خلد مکان عالمگیرؒ مذہبی
لحاظ سے حنفی المذہب اور مذہبی معاملات
کے بیحد پابند تھے۔ آپ سُنی تھے۔ اسلامی
فرائض خمسہ کی پابندی اور اُن کے اجراء میں
بیحد کوشاں رہتے تھے۔

اعمال کے پابند تھے ہمیشہ باوضو رہتے تھے
کلمہ طیبہ اور دیگر اوراد وظائف ہر وقت زبان
پر جاری رہتے تھے۔

نماز و زکوٰۃ نماز اوّل وقت باجماعت ادا
فرماتے تھے۔ اور جمعہ کی نماز جامع مسجد میں
عام آدمیوں کے ساتھ ادا کرتے تھے
زکوٰۃ شرعی کی ادائیگی کا خاص خیال و اہتمام
تھا۔

روزہ رمضان المبارک کا مقدس مہینہ
ادائے صوم اور پابندی تراویح میں بسر
ہوتا تھا۔ ہر ماہ ایام بیض کو روزہ ہوتا
تھا۔ ہر ہفتے پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے
تھے۔ آخیر عشرہ میں اعتکاف بھی فرماتے
تھے۔

حج آپ حج بیت اللہ کے بے حد مشتاق
تھے مگر موقع نہ مل سکا۔ ہر سال اور کبھی
دوسرے تیسرے سال حرمین شریفین
زادھما اللہ شرفاً و تعظیماً۔ کے غریب زائرین
و مجاورین کے لئے رقم کثیر ارسال فرماتے
رہتے تھے اور حجاج کا ایک گروہ بادشاہ
کی نیابت میں ہمیشہ طواف و حج و سلام
رسانی میں مصروف رہتا تھا۔

عادات آپ مزامیر سے سخت پرہیز
فرماتے۔ مجلس میں کبھی غیبت نہ ہو
سکتی تھی۔ جھروکے میں درشن کی رسم
موقوف کر دی تھی۔ ہر روز دو یا تین
بار آپ باہر منظرِ عام میں تشریف لاتے
تھے۔ دادخواہ کی تمام شکایت خود سنتے
تھے۔ اور سب کو بلا روک ٹوک حاضر
خدمت ہونے کی اجازت ہوتی تھی۔ خود
شکایت سُنتے بے حد شفقت کے ساتھ
تسلی فرماتے۔ بادشاہ رعیت نواز نے
کبھی ایسا حکم نہ دیا جو رفاہ عامہ کے خلاف
ہو۔

زنانِ بازاری اور فواحش و منکرات
کے شیدائی تمام لوگوں کو دارالحکومت سے
خارج کر دیا تھا۔ اور تمام ملک میں شرعی
اور اسلامی احکام جاری کر دیئے تھے۔
احتساب کا محکمہ جاری کیا اکثر شہروں
میں خیرات خانے جاری کئے۔ تنفا خانے
تعمیر کرائے۔ مسافروں کے لئے سرائیں
بنوائیں۔ ایک سڑک اورنگ آباد سے
اکبر آباد آگرہ تک دوسری لاہور سے
کابل تک تیسری لاہور سے کشمیر تک
بنوائی

شوق مطالعہ آپ کو مطالعہ کا بہت شوق
تھا۔ امام غزالیؒ وغیرہم صوفیاء کی کتابیں
زیرِ مطالعہ رہتی تھیں

فتاویٰ عالمگیری اس زمانے میں دو لاکھ
روپے صرف کر کے فتاویٰ عالمگیری کو مرتب
کرایا۔

کتابتِ قرآن آپ کو خط نسخ اور نستعلیق
میں اور خط شکستہ میں خاص مہارت
تھی۔ اپنے ہاتھ سے قرآن پاک لکھتے
تھے۔ ایک قرآن شریف جو بادشاہ بننے
سے پہلے لکھا تھا مکہ معظمہ بھجوایا۔ دوسرا
جو تخت پر بیٹھنے کے بعد لکھا تھا سات
ہزار روپے کی جلد بندھوا کر مدینہ منورہ
بھیجا تھا۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے
ایک شعر یہ ہے ؎

غم عالم فراواں است و من یک غنچہ دل دارم
چساں در شیشۂ ساعت کنم ریگ بیاباں را

آخری وقت زمانہ علالت میں نماز باجماعت
ادا کرتے رہے اور تمام اوراد و
وظائف کا اہتمام رہا یوم وفات
۲۸ ذیقعدہ سنہ ۱۱۱۸ھ جمعہ کی صبح کو نماز فجر
کے لئے باہر آ رہے تھے۔ بیہوشی میں
بھی ذکر جاری رہا ایک پہر دن گذرنے
کے بعد ذکر ہی کی حالت میں اس
عالم سے رخصت ہوگئے۔

مراۃ العالم

از: محمد بختاور خاں
قیمت مکمل سیٹ: یک صد روپیہ
ملنے کا پتہ: پاک اکیڈمی
۱۴۱/۱ وحید آباد کراچی

دودمانِ مغلیہ کے عظیم فرمانروا حضرت غازی اورنگ زیب عالمگیر قدس سرہٗ کے خاص مصاحب محمد بختاور خاں کی مرتّبہ یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے جو درمیانہ سائز کے آٹھ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کی زبان فارسی ہے جو اس دور کی دفتری زبان تھی اور جو اب بھی ہمارے قیمتی سرمائے کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ محترمہ ساجدہ۔س علوی نے نہ صرف کتاب کی تصیح میں غایت درجہ محنت سے کام لیا ہے بلکہ مقدمہ اور حواشی کے ذریعہ کتاب کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ جس پر وہ بجا طور پر مستحق تحسین ہیں۔

کتاب کی پہلی جلد میں غازی مرحوم کی سیاسی تاریخ پر مشتمل ہے جس میں زمانہ جنگ اور جانشینی کی کشمکش سے لے کر ۳۱ سال تک کے حالات ہیں جبکہ دوسری جلد اس دور کے علماء صوفیا، اہل ہنر، خوشنویس اور شاعر وغیرہ حضرات کے خوبصورت تذکرہ پر مشتمل ہے۔ مصنف نے اس دور کے تمدن کی مکمل عکاسی کی کوشش کی ہے اور کمال محنت و دیانت سے حالات کا جائزہ لیا اور تجزیہ کیا ہے۔ حاشی نگار نے ان تمام کتابوں کی مکمل فہرست دے دی ہے جن سے انہوں نے اس مشکل ترین کام میں استفادہ کیا۔ کتاب ان نادر ترکی، مغربی اور ہندی کلمات و مصطلحات کی فہرست ایک قیمتی اضافہ ہے جبکہ اس دور کے سیاسی اور فوجی مناصب کا مکمل نقشہ ایک معرکہ کی چیز ہے۔

خواجہ عبدالحمید صاحب یزدانی نے اشاریہ مرتب کر کے مزید کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ اس اشاریہ میں اسماء رجال، فہرست اماکن و اعلام جغرافیائی اور کتب و مجلات کی مکمل فہرست موجود ہے۔ اس تمام تر محنت کے بعد کتاب دور عالمگیری کا ایک مفصّل و مبسوط اور مستند تذکرہ بن گئی ہے۔ سلاطین اسلام کے سلسلہ میں اپنوں اور بیگانوں کی مکروہ روش سے جو حالات پیدا ہو چکے یا ہو رہے ہیں ان کے پیشِ نظر اس کتاب کا مارکیٹ میں آنا بڑی خوبی کی بات ہے۔ اور جن لوگوں نے یہ کارنامہ سرانجام دیا وہ ملت کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ خدا کرے کہ کوئی صاحب ہمت اس کا اردو ترجمہ کر دے تاکہ اس کا فیض عام جاری ہو سکے۔

ہم اہل علم سے اس کتاب کی زبردست پذیرائی کی سفارش کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتے ہیں۔

۱۔ حضور پُرنور علیہ السلام اور چار زندہ نبی

۲۔ فضائل و مسائل غسل، وضو، اذان، اقامت

جناب مولانا ابوالمظفر ظفر احمد قادری بڑے مخلص اور دردِ دل رکھنے والے مسلمان ہیں آپ وطنِ عزیز کی جغرافیائی سرحد پر بیٹھے تحریر و تقریر کے ذریعہ ملت کی نظریاتی سرحدوں کے دفاع و استحکام کے لیے مصروف عمل ہیں۔ اس سے قبل دو درجن کے لگ بھگ مختلف ضروری موضوعات پر ان کے کتابچوں اور رسائل کے

کئی کئی ایڈیشن چھپ کر مفت
تقسیم ہو چکے ہیں۔ اب حال ہی
میں دو نئی چیزیں سامنے آئی
ہیں۔ پہلی میں سرورِ کائنات صلی اللہ
علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے ضروری
گوشے انتہائی صحیح روایات کے
ساتھ پیش کرنے کے بعد حضرت
ادریس، حضرت خضر، حضرت الیاس
اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے
حالات قرآن و حدیث سے بڑی
خوبصورتی سے مرتب کئے ہیں۔ یہ
کتابچہ جو ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ہے
ہند و پاک کے بعض اجل علماء کی
تقریظات سے مزین ہے اور اسے
جلو موڑ کے ایک درد مند ڈاکٹر صاحب
نے اپنے بعض بزرگوں کے ایصال
ثواب کے لیے مفت تقسیم کرنے کا
فیصلہ کیا ہے اللہ انہیں جزائے
خیر دے۔

دوسرا رسالہ اپنے نام سے
ظاہر ہے کہ ضروری مسائل پر
مشتمل ہے اور اس کے ناشر
"ساتھ والا" کے ایک صاحب
دل مسلمان ہیں۔

ہم مولانا المحترم اور دونوں
رسائل کے ناشر حضرات کے لیے
صمیم قلب سے دعاگو ہیں کہ اللہ
تعالیٰ ان کی محنت قبول فرمائے اور
اس طرح کے جذبات خیر سے دوسرے
لوگوں کو بھی مالا مال فرمائے۔

ملنے کا پتہ: کتب خانہ سروری، واہگہ ضلع لاہور

ایک نادرۂ روزگار ہستی کا سانحۂ ارتحال

ہمارے مخدوم و کرمفرما جناب
محمد اعلیٰ صاحب ناظم مکتبہ امدادیہ کراچی
کا گرامی نامہ محررہ ۱۲ ستمبر کل ہی
موصول ہوا جس سے یہ جانکاہ خبر
معلوم ہوئی کہ سلسلہ عالیہ مجددیہ
نقشبندیہ کے گل سرسبد اور عظیم
المرتبت دینی و علمی رہنما، مصنف،
علّام حضرت الشیخ مولانا سید محمد
زوار حسین شاہ صاحب ۲۲ رمضان
المبارک بعمر ۷۶ سال طویل علالت
کے بعد انتقال فرما گئے۔

خبر پڑھ کر دل پر بجلی گری
اور پھر اس بات کا شدید افسوس
ہوا کہ قریباً ڈیڑھ ماہ بعد اس
حادثہ کی اطلاع ہو رہی ہے۔

حضرت شاہ صاحب سے
احقر کی ملاقات محض ایک مرتبہ
ہوئی۔ خط کے ذریعہ چند بار ملاقات
ہوئی۔ احقر کی درخواست پر حضرت
مولانا سید بنوری قدس سرہٗ کے لیے
اپنا گرانقدر مقالہ "بنوری نمبر" کے لیے
ارسال فرمایا۔ حضرت بنوری نمبر اور پھر
حضرت لاہوری نمبر ان کی خدمت میں
ارسال کئے بہت خوش ہوئے،
ڈھیروں دعائیں دیں۔ ملاقات کے وقت
ان حد دعاؤں سے نوازا۔

حضرت والا نے حضرت الامام
مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی سوانح و
تعلیمات پر گرانقدر کتاب لکھی جس
کی مثال اردو لٹریچر میں کم ہی
ملے گی۔ حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ
کے خلف الرشید اور علمی وارث حضرت
عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم قدس
سرہٗ کے مکتوبات کا اردو ترجمہ کیا
جو ایک شاہکار ہے اور چھپ چکا
ہے۔ "عمدۃ الفقہ" کے نام سے
فقہی مسائل پر چند جلدوں میں مبسوط
کتاب لکھی جس کا خلاصہ "زبدۃ الفقہ"
کے نام سے کیا۔ دونوں چھپ چکی
ہیں اور بھی آپ کے قلم سے بہت
نکلا۔ اس دَور میں ایسے صاحب
دل حضرات خال خال نظر آتے
ہیں۔ قلم میں اس صدمہ کی برداشت
کا یارا نہیں۔ روؤاں روؤاں دعاگو
ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت والا کو
اپنی بے پایاں رحمتوں سے نوازے
اور ان کی جسمانی و روحانی اولاد
کو صبر و اجر کی نعمت نصیب ہو۔

ایک اور حادثہ! ہمارے مخلص دوست
اور صاحب قلم اختر راہی صاحب پروفیسر
مری کالج کے خط سے ان کے والد
بزرگوار کے سانحۂ ارتحال کی خبر ملی۔ یہ
حادثہ ۹ ستمبر کو پیش آیا۔ انا للہ وانا الیہ
راجعون۔ ہم اختر صاحب کے غم میں برابر
کے شریک اور آن مرحوم کے لیے
دعاگو ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی خصوصی
رحمتوں سے نوازے۔ قارئین سے دعا کی
درخواست ہے۔ غمزدہ: علوی

پاکستان میں معروف و فعال اسلامی تعلیمات کی درس گاہ
فون نمبر ۲۳۵۶
۲۹ واں سالانہ
دار العلوم جامعہ رشیدیہ ساہیوال
جلسہ
جامعہ رشیدیہ
۲۰، ۲۱، ۲۲، ذیقعدہ سنہ ۱۴۰۰ھ
یکم، ۲، ۳، اکتوبر سنہ ۱۹۸۰ء
بدھ جمعرات جمعۃ المبارک
اپنے اسی سالہ ماضی کی دینی روشنی میں چودھویں صدی کی اسلامی پندرہویں صدی کا علمی استقبال کر رہا ہے
تبلیغی اجتماع میں جامعہ کے فارغ طلبہ حافظ و قاری صاحبان اور مترجمین و فاضلین رشیدیہ کو انعامات اسناد فضیلت مذہب و ملت کے علماء حقانی مشائخ ربانی تقسیم فرمائیں گے
اجلاس رشیدیہ میں ملک کے مشاہیر اکابر راہنما تشریف لا کر کتاب و سنت اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تعلیمی مسائل اور مواعظ حسنہ بیان فرمائیں گے
مؤتمر رشیدیہ میں فضلاء دار العلوم و ابنائے دیوبند کی تنظیم اور اجلاس صد سالہ دار العلوم کے یادگار پاکستانی اجتماع پر مذاکرہ ہوگا
ع صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے
جامعہ رشیدیہ میں داخلے ہو رہے ہیں پاکستان بھر سے طلبہ خاصی تعداد میں ساہیوال کی دانش گاہ پہنچ چکے ہیں، تعلیمات جاری و ساری !!!
چار سے پانچ صد طلبہ کے جملہ مصارف ''قیام'' طعام'' ملبوسات'' معالجہ ادویہ'' کتب'' وظائف اور معاشی اخراجات کا جامعہ کفیل ہے۔
ایسے طلباء غریب الاوطان مہمانان رسول علیہ السلام کی اعانت و نصرت از قسم زکوٰۃ و صدقات اور چرمہائے قربانی سے سرپرستی فرمائیں۔
مفصل پروگرام کا انتظار فرمائیں ! معلومات کے لئے فون ۲۳۵۶
ع یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی
فاضل حبیب اللہ رشیدی ناظم اعلیٰ و مدیر جامعہ رشیدیہ (رجسٹرڈ) ساہیوال

انجمن خدام الدین لاہور کی طرف سے شائع شدہ
قرآن عزیز
بہ تجشیۂ جدیدہ
بہترین عکسی طباعت سے مزین
ترجمہ: شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ
ہدیہ
قسم اعلیٰ:- ۲۰۰/- روپے، کاغذ آسٹریا، وہائٹ پرنٹنگ، چرمی جلد
قسم اوّل:- ۷۵/- روپے امپورٹڈ آفسٹ پیپر
قسم دوم:- ۳۵/- روپے جلد ڈائی دار کاغذ مکینیکل گلیزڈ
قسم سوم:- ۲۱/- روپے جلد سادہ کاغذ مکینیکل گلیزڈ
محصول ڈاک:- ۹/- روپے
فی نسخہ زائد ہوگا۔
شعبہ تالیف و اشاعت انجمن خدام الدین